قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی

"وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کیا، اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔"

4/96

ماہنامہ

المرشد

لاہور

تصوف کیا نہیں

تصوف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے۔ نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے۔ نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے۔ نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے۔ نہ قبروں پر سجدہ کرنے ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے۔ نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے۔ نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباع سنت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و الہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔ (دلائل السلوک)

اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

اداریہ

اِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

مسلمانی کا دعویٰ کرنے والو! اپنے حجروں، مسجدوں اور خانقاہوں سے باہر نکلو اور میدانِ عمل میں آؤ۔ برائی، بدکاری اور ظلم کے خلاف جہاد کرو۔ اپنے اوپر بدکاروں کو مسلط مت ہونے دو۔ بدکاروں سے بچنے کیلئے نری دعائیں مانگنا بُزدلی ہے۔ اللہ کو بزدل قوم سخت ناپسند ہے۔ ایسی قوم کو اپنے اصلی مقام سے ہٹا کر کسی غیر قوم کا غلام بنا دیتا ہے۔ اللہ نے مسلمانوں پر کبھی عذاب نازل نہیں کیا۔ البتہ جب اِس قوم نے خود ہی اسلام کو اپنے وجود، اپنی روح، اپنے قلب اور اپنی اجتماعی اور معاشرتی زندگی سے نکال دیا۔ اور محض اسلام کی ایکٹنگ کرنے والی منافق اور نااہل قوم بن گئی تو اللہ نے وہ مقام کسی غیر قوم کو دینا پسند فرما لیا۔ تاریخ یہ اصول کئی بار دہرا چکی ہے۔ اِس وقت بھی نہ صرف اِس سرزمین پر بلکہ پورے عالمِ اسلام میں اِس اصول کے نتائج دُہرائے جا رہے ہیں۔ دین کو دنیا سے نکال کر مساجد میں محدود کرنے اور مزاروں کی زینت بنانے والوں نے مسلمان کو اِس قدر نااہل بنا دیا ہے کہ 'حرم کی پاسبانی' کیلئے بھی غیر قوموں کو آنا پڑا ....! کیوں؟ اللہ نے ہمیں کس نعمت سے محروم رکھا؟ دولت نہیں دی؟ عقل نہیں دی؟ افرادی قوت نہیں دی؟ کیا نہیں دیا؟ لیکن جو دولت کے پاسبان بنے اُنہی نے دولت کو لوٹا۔ جن کو عقل دی۔ اُنہوں نے اُسے بادشاہوں، حکمرانوں اور دولت والوں کی عیاشی کا سامان پیدا کرنے پر خرچ کیا۔ افراد جو قوم کی قوت کا سرمایہ ہوتا ہے اُسے لُوٹا گیا، مارا گیا، اور ذاتی ضرورت کی شے سمجھ کر علم و ہنر سے محروم رکھا گیا۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ کیوں ہو رہا ہے؟ اِسلئے کہ ہمارے "قلب" گل سڑ گئے ہیں۔ قلب جو اللہ کے انوار کا گہوارہ ہوتا ہے۔ اُسے ہم نے اتنا بے حس کر دیا ہے کہ ہم اللہ کی واضح وارننگ کو سمجھنے کے اہل بھی نہ رہے۔ یوں ہم عُرسوں کے شیدائی، جلسے جلوس کی جان، جشنوں کے عاشق اور الیکشن و جمہوریت کے پروانے بن گئے۔ ہم خانقاہوں کے رکھوالے، مساجد کے بانی اور مدرسوں کے مہتمم تو بن گئے۔ لیکن قوم کے قائد و رہنما نہ بن سکے۔ اگر اِن خانقاہوں اور مدرسوں میں دین ہوتا تو یقیناً آج دنیائے اسلام میں "قائدانہ صلاحیتوں" کا قحط نہ ہوتا۔ اسلام نے تو اِن تربیت گاہوں سے قوم کے لیڈر پیدا کئے اور ہم نے اِن مقامات کو چڑھاوے لینے، مجرے کرنے، اور ختم کھانے والوں کی ایک نکمی فوج (Parasite) پیدا کرنے کے لئے وقف کر دیا ہے۔ ہمارے لئے لیڈر کہاں سے آئیں گے؟ اسلامی انقلاب کیسے آئیگا؟ تحریک کون چلائیگا؟ تبدیلیاں کون لائیگا؟ نیک، بدکار کی جگہ کیسے لے گا؟ ظلمتوں کو روشنی میں کون تبدیل کریگا؟ اور سب سے بڑھ کر 'حرم کی پاسبانی' کون کرے گا؟ اللہ کریم کا اصول پکا اور اٹل ہے۔

وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ

تاج رحیم

محسن انسانیت

مفتی محمد مصطفیٰ مفتاحی، حیدر آباد، دکن

سلام اے محسن انسانیت، اے فضل ربانی
سپہر رفعت و عظمت کے اے مہتاب نورانی

سلام اے آمد فصل بہاراں، ناز رعنائی
سلام اے ملت بیضاء کے پشتیبان بطحائی

سلام اے سید اولاد آدم، مشفق عالم
سلام اے رحمتہ للعالمین، اے ہادی عالم

اسلام اے آمنہ کی گود کے لعل بدخشانی
سلام اے صورت و سیرت میں اپنا آپ ہی ثانی

سلام اے شافع محشر، سلام اے ساقی کوثر
رسالت کے سمندر میں تمہیں یکدانہ گوہر

سلام اے پستیوں کو تم نے دی تقدیر رفعت کی
تجلی زار کر دی تم نے وادی تیرہ قسمت کی

سلام اے کہ حبیب داور گیتی تمہیں تو ہو
سلام اے کہ پناہ امت عاصی تمہیں تو ہو

سلام اے کہ تمہیں نے شیشے کو پتھر سے ٹکرایا
ضلالت کی شب ظلمت کو نور صبح دکھلایا

سلام اے مشعل راہ ہدیٰ، اے حجت باری
سلام اے کہ تمہاری اک گواہی لاکھ پہ بھاری

سلام اے پیکر خلق عظیم و مہر دانائی
سلام اے قاسم حکمت، نگار شان یکتائی

سلام اے کہ شکستہ دل کی بس تم ہو مسیحائی
ہدایت نوع انساں نے تمہارے در سے ہی پائی

تمہارا اسوۂ احسن، ہماری زیست کا مقصد
تمہیں تو ہو محمدؐ، حامد و محمود اور احمد

تمہاری ہر ادا میں انس و جاں کی کامرانی ہے
تمہارا ہی لقب پیغمبر آخر زمانی ہے

مسلم ہے تمہاری ہر ادا گلبانگ فطرت ہے
مجسم نور و نکہت، جان الفت، شان رحمت ہے

تمہارے دین پر ہر دور میں ہی آندھیاں آئیں
خدا کا شکر! لیکن خود ہی اپنے منہ کی بھی کھائیں

تمہارے آستاں کو چھوڑنا ہے جگ میں رسوائی
ندامت، واژگوں قسمت، ہزیمت، آبلہ پائی

تمہاری سنتیں دارین میں وجہ سکینت ہیں
فراز بندگی، سامان امن و عیش و عزت ہیں

سکھاتا ہے تمہارا عشق ہر دم شادماں رہنا
مصائب کے تھپیڑوں میں قوی ہیکل چٹاں رہنا

تمہارا عشق ہے جو مصطفیٰ بے چین رہتا ہے
عطاء دیدار ہو جائے، بہت کلفت وہ سہتا ہے

جب صور پھونکا جائے گا

مولانا محمد اکرم اعوان

اسلام نے انسانی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کو اخروی محاسبے کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے اور بڑے واضح طور پر بتا دیا ہے۔ کہ جو شخص زندگی کے اس سارے کاروبار سے سارے پراسس سے نکل کر انجام کار دوزخ میں جانے سے بچ گیا آگ سے بچ گیا وہ کامیاب ہو گیا اس کے لئے اس نے بنیاد رکھا ہے نفع نقصان کی آخرت کے نفع و نقصان پر۔ اسلام کے علاوہ خواہ ادیان باطلہ ہیں یا کوئی بے دین فلسفہ' ساری فلاسفی کا مدار دینوی فوائد پر ہے۔ اپنے گرد لوگوں کو جمع بھی اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں دینوی فوائد کا طمع اور لالچ دیتے ہیں اور لوگ بھی ان کے پاس اس لالچ میں جاتے ہیں۔ اسلام نے کسی بھی زمانے میں کسی کو لالچ نہیں دیا ایسا جو دینوی مال و دولت کا ہو کہ ہمیشہ جو وعدہ فرمایا ہے پہلے سے لے کے آخر تک وہ اللہ کی رضامندی کے نتیجے میں ملنے والے آخرت کے انعامات اور آخری نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

آج کوئی کچھ بھی کہہ سکتا ہے لیکن حقائق کو بدلنا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں آج یہ بھی کہا جاتا ہے مغربی فلسفے میں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا مکہ مکرمہ کی تاریخ کو دیکھا جائے تو اسلام کے پاس بانٹنے کے لئے دینوی دولت بھی نہیں تھی اور کسی کے ساتھ لڑنے کے لئے اسلام کے پاس تلوار بھی نہیں تھی اور جتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا' پہلے اسلام قبول کرنے والے لوگوں نے دینوی اعتبار سے سب سے زیادہ تکلیفیں اٹھائیں سب سے زیادہ نقصانات اٹھائے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب انبیاء علیہم الاسلام نے تکلیفیں اٹھائیں لیکن سب سے زیادہ تکلیفیں مجھے برداشت کرنا پڑیں۔ فاقے کئے' لوگوں نے مار کھائی' مال لٹوائے گھر چھوڑے' ہجرتیں کیں' دنیا کی ساری راحتیں چھوڑ کر دنیا کی ہر مصیبت کو گلے لگایا۔ یہ ممکن کیسے ہے یہ کہنا آسان ہے کرنا آسان نہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان دنیاوی نقصانات برداشت کرے دینوی فوائد اپنی پسند سے چھوڑ دے حاصل کر سکتا ہو لیکن وہ چھوڑ دے۔ اس کا اسلام کے پاس ایک ہی نسخہ رہا ہے اور ایک ہی ہے اور وہی اصل اسلام ہے یہ جو نسخہ ہے یہ جو کیفیت ہے اصل اسلام ہے ہی اس حالت. اور کیفیت کا نام اور وہ کیفیت یہ تھی کہ ہر آنے والے کو بیک نگاہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے واصل کر دیا۔ وہ اللہ کریم کے اتنا قریب ہو گیا کہ اس کے لئے دنیا و آخرت میں کوئی دوری نہ رہ گئی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول ہے کہ اگر دنیا سے حجاب اٹھا دیا جائے اور آخرت ساری کھول کر رکھ دی جائے تو مجھے کوئی حیرت نہ ہو گی کوئی چیز عجیب یا نئی نہیں لگے گی یہ حال کر دیا تھا ان لوگوں کا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے اور ہر آنے والے کو ایک نگاہ میں اتنا قرب الٰہی نصیب ہوتا تھا کہ آخرت اس کے لئے فسانہ نہیں اس کے سامنے حقیقت بن جاتی تھی اور وہ دیکھ رہا ہوتا تھا کہ جو دس روپے میں یہاں چھوڑ رہا ہوں کہ ناجائز ذریعے سے نہیں لوں گا اس کے بدلے مجھے وہاں کتنے انعامات نصیب ہوں گے۔ قرآن حکیم نے اس سارے حال کی مختلف آیات مبارکہ میں منظر کشی بھی کی ہے۔

فرمایا جس دن صور پھونکا جائے گا صور وہ بگل ہے یا وہ آواز دینے کا آلہ ہے جس کی آواز میں اتنی وائبریشن ہو گی اتنی تھرتھراہٹ ہو گی کہ زمین تو زمین آسمان پھٹ جائے گا جب اس میں سے آواز آنی شروع ہو جائے گی تو وہ جوں جوں بڑھتی جائے گی ہر جگہ محسوس ہو گی تھوڑی سی آواز بگل کی طرح آ رہی ہے پھر بڑھتی جائے گی بڑھتی جائے گی اتنی ہیبت ناک آواز بڑھے گی کہ درندے اور جنگلی جانور ڈر کر آبادیوں کو بھاگیں گے اور آبادیوں کے باسی اور انسان ڈر کر جنگلوں کو بھاگ رہے ہوں گے وہی آواز زلزلہ اور تھرتھراہٹ پیدا کرتی جائے گی مکان گریں گے درخت گریں گے دریا ٹوٹیں پھوٹیں گے سمندر ابل پڑیں گے پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گے حتیٰ کہ آسمان تک اس کی تھرتھراہٹ سے پھٹ جائے گا سورج چاند ستارے جھڑ جائیں گے بے نور ہو جائیں گے اور ہر ایک چیز تہہ و بالا اور تہس نہس کر دے گی فرمایا

یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ۔ بہت سخت دن ہو گا جب صور پھونکا جائے گا اور وہ ختم نہیں ہو گا فرمایا عجیب بات یہ ہے کہ ہر چیز تباہ ہو گئی چلو قصہ مک گیا قصہ ختم نہیں ہو گا بلکہ قصے کی ابتدا ہو گی۔ **وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا۔** ہر جرم کرنے والے کو پکڑ کر لایا جائے گا اس حال میں کہ خوف سے اس کی آنکھیں نیلی پڑ رہی ہوں گی۔

یَتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا۔ تو آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشیاں کریں گے کہ یہ مصیبت اور دس دن کی دنیا کی زندگی میں کتنا ظلم کیا ہم نے تو چند روزہ دنیاوی زندگی کے نتیجے میں اتنی بڑی مصیبت ہم نے مول لے لی۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ اس وقت جو کچھ باتیں کریں گے وہ ہمیں علم ہے ہمیں پتہ ہے تمہیں بھی بتا رہے ہیں کہ یہ حال ہو گا۔

اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا۔ کچھ تھوڑے جو سمجھ دار ہوں گے وہ کہیں گے دس دن تو بڑی ایک معقول مقدار ہے دنوں کی یہ تو دن بھی نہیں بنتا یہ تو کوئی لمحوں کی بات تھی دنیا میں گئے اور آ گئے اور اس آنے جانے میں اتنا نقصان کر دیا اب فرمایا اب دنیا میں یہ کہتے ہیں کہ اتنے بڑے بڑے پہاڑ ہیں آپ کہتے ہیں آبادیاں اجڑ جائیں گی جی بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ ہزاروں فٹ بلند۔

وَ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا انہیں کہہ دیں! میرا رب انہیں ایسا بکھیرے گا کہ ان کا نشان تک نہیں رہے گا۔

فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا۔ ساری زمین کو چٹیل میدان بنا دے گا کوئی سمندر کوئی دریا کوئی نہر کوئی نالہ کوئی اونچا کوئی نیچا کوئی نشیب کوئی فراز کچھ نہیں سب کو ایک سا کر دے گا۔

لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا۔ کوئی ٹیڑھا پن کوئی بلندی کوئی نشیب کوئی کچھ نظر نہیں آئے گا اور فرمایا صرف زمین ہی سیدھی نہیں ہو جائے گی تم بھی سیدھے ہو جاؤ گے۔ آج دنیوی حکومت پکڑنا چاہے تو کوئی بھاگ جاتا ہے کوئی مفرور بن جاتا ہے روپوش ہو جاتا ہے لیکن وہ دن ایسا ہو گا کہ پکڑنے والے کو بھاگ کر پکڑنا نہیں پڑے گا۔

یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ۔ اس کا کام صرف آواز دینا ہو گا مجرم خودبخود اس کی طرف لپک رہے ہوں گے کوئی دوسرا راستہ سجھائی ہی نہیں دے گا کوئی دوسرا راستہ ہو گا نہیں۔

لَا عِوَجَ لَهٗ اس کی پیروی سے سرگردانی نہیں کر سکے گا اس لئے کہ اس کی مجبوری ہو گی وہ آواز حکومت کے

رسوں اور زنجیروں سے زیادہ مضبوط ہو گی جس جس کو پکارنے والا پکارے گا وہ اس آواز میں جکڑ کر قید ہو کر اس کی طرف چلا جائے گا۔

وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ۔ اور بڑے بڑے ناموروں کی زبان سے بات نہیں نکلے گی اونچی آواز میں بولنے کی جرات نہیں ہو گی

فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ اگر کوئی بات ہی کرے گا تو ایک دوسرے سے سرگوشی ہی کرے گا کسی میں جرات ہو گی دم مارنے کی جنہیں بڑا گھمنڈ ہے اپنے وسائل پر اپنے ذرائع پر اپنے تعلقات پر اپنی سفارشوں پر فرمایا

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ۔ اس دن کوئی سفارش بھی کام نہیں آئے گی سفارش کرے کون کسی کی جب کہ وہ خود اپنی جواب دہی کے لئے وہاں حاضر ہو گا اور جو سفارش کریں گے جو شفاعت ہو گی انبیاء علیھم السلام صلحاء شہداء یا جو بھی کریں گے

اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ۔ صرف وہ لوگ کریں گے جن کو اللہ اجازت دے گا اور جس حد تک جن لوگوں کی سفارش کرنے کی اجازت دے گا

وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔ اور وہی بات کہہ سکیں گے جو اللہ کو پسند ہو گی مجرم کی حمایت نہیں کر سکیں گے اللہ کی رضا پہ راضی ہوں گے اور اس جرم کی شفاعت فرمائیں گے جس جرم کی شفاعت کی اللہ کریم اجازت دے گا اور اس مجرم کی فرمائیں گے جس کی اللہ نے انہیں اجازت دے رکھی ہے ہر کس و ناکس کی نہیں اور اللہ دھوکا نہیں کھاتا جن کی سفارش کی وہ اجازت دے گا ان کو وہ جانتا ہے اور جن کی نہیں دے گا ان کو بھی جانتا ہے

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ لوگوں کا جو آگا پیچھا ہے سب جانتا ہے۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِهٖ عِلْمًا۔ اور لوگوں میں یہ جرات نہیں کہ وہ علم الٰہی کو سمجھ سکیں یا اس کا احاطہ کر سکیں

وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ۔ فرمایا اس دن کسی کو منہ چڑھ کر بات کرنے کی اجازت نہیں ہو گی تمام چہرے اس کے روبرو سرنگوں ہوں گے

وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا۔ اور یہ پکی بات ہے کہ جس نے بھی اس کی نافرمانی کی اس نے نقصان اٹھایا وہ نامراد رہا قدخاب نامراد رہا ناکام رہا

وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ۔ بات صرف ایک ہو گی کہ جس کسی نے بھی صالح اعمال کئے صالح اعمال کون سے ہیں

وَ هُوَ مُؤْمِنٌ۔ صالح اعمال وہ ہیں جو اس کا ایمان صحیح ہو اور اتباع کرے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ یاد رکھیں کسی کام میں کوئی صلاحیت نہیں سوائے اس کے کہ وہ کام منسوب ہو جائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام کرنے کا حکم دیا وہ کام اس میں صلاحیت پیدا ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام خود کیا اس میں صلاحیت پیدا ہو گئی آپؐ نے جس کا م کے کرنے کی اجازت دے دی اس میں صلاحیت پیدا ہو گئی کوئی کام ہوتا دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا لیا اس میں صلاحیت پیدا ہو گئی لیکن صلاحیت پیدا ہو گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کسی بھی کام میں بظاہر کتنی خوبصورتی کتنی خوش نمائی کتنی بھلائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے نہ ہو تو وہ سارا حسن وہی ہے جو سانپ کے وجود پر ہوتا ہے اندر سارا ہی زہر ہوتا ہے کوئی صلاحیت نہیں ہے کسی کام میں۔

ہمارے ہاں ایک رواج ہے بدعت حسنہ کا اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ بدعت میں کبھی حسن نہیں ہوتا آپ نے کبھی کوئی خوبصورت ظلمت دیکھی۔ ظلمت میں کیا خوبصورتی ہو گی جتنی بڑی ظلمت ہو گی اتنی زیادہ تاریکی ہو گی بدعت میں حسن نہیں ہوتا جسے فقہاء نے بدعت حسنہ لکھ دیا ہے وہ حقیقتاً" بدعت ہوتی نہیں چونکہ بدعت کا معنی ہے عربی میں کوئی نیا کام شروع کرنا یہ ابتداء کالفظ بھی اسی بدعت سے نکلا ہے اور انہیں الفاظ کا ہے بدعہ سے نکلا ہے ب د ع۔ تو

بدعت حسنہ جسے فقہاء نے لکھ دیا ہے دراصل وہ کام مسنون ہے ان کی بنیاد سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی رکاوٹ تھی خارجی یا کوئی مانع تھا وہ کام ہو نہیں سکتا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کے کرنے کا حکم دیا یا اس کام کے کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس ظاہری مانع کی وجہ سے وہ کام ہو نہیں سکا تو جب وہ مانع ہٹ گیا تو وہ کام کر لیا گیا تو فقہاء نے اسے بھی بدعت لکھ دیا کہ نیا شروع کیا گیا لیکن یہ خوبصورت نئی بات ہے بدعت حسنہ ہے بدعت حسن دراصل سنت ہوتی ہے اور اسے مزید سلجھانے کے لئے شارحین نے جو اس پہ بات کی ہے انہوں نے بدعت حسنہ کو چھوڑ ہی دیا ہے انہوں نے کہا بدعت اصطلاحی اور لغوی۔ اصطلاحی بدعت وہ ہوگی جس میں سنت کا شائبہ نہیں ہے اور لغوی بدعت وہ ہو گی جس کا ارادہ تو تھا عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لیکن کسی ظاہری موانع کی وجہ سے رکاوٹ کے باعث وہ کام نہیں ہو سکا تو جیسے وہ رکاوٹ دور ہو گئی وہ کام کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت اللہ شریف کی عمارت کو گرا کر اسے بنائے ابراھیمی پہ بنا دیا تھا اور اس طرح سے بنا دیا تھا حضرت ابراھیم علیہ السلام نے جب بنایا تھا ایک یہ جو حطیم چھوٹا ہوا ہے یہ عمارت کے اندر تھا دوسرا وہ زمین پر تھا۔ ایک دروازے سے داخل ہوتے دوسرے سے نکلتے جاتے تھے۔ بعد کے زمانے میں جب تعمیر ہوئی تو کرسی بنا دی گئی پھر قریش نے جو تعمیر کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حطیم اس وقت چھوٹا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجراسود لگایا تھا قبل بعثت جدے میں کسی کا بحری جہاز جو تھا وہ نیلام ہوا تھا تو اہل مکہ وہ جہاز خریدا اسی جہاز کا چھت ہے بیت اللہ شریف کا۔ تو پورے مکہ سے انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کیا اور اس میں شرط یہ تھی کہ وہ پیسہ دو جس کے متعلق تمہیں کوئی شبہ نہ ہو شبہ سے بالاتر ہو جسے تم خالص حلال اور پاکیزہ رزق سمجھتے ہو وہ دو تو لوگوں نے جتنا چندہ دیا مکے کا سارا پاک مال ان کی دانست کے مطابق تھا وہ جمع کر کے بھی پوری عمارت تعمیر کرنے سے پیسے کم ہوتے تھے چنانچہ مشرکین مکہ نے بھی یہ کوشش کی کہ اتنی جگہ عمارت کی بغیر چھت کے بغیر دیوار کے چھوڑ دیتے ہیں لیکن مشکوک رقم اللہ کے گھر پر نہیں لگاتے تو انہوں نے حطیم کی حد تو قائم رکھی۔ اس لئے حطیم کے باہر سے طواف ہوتا ہے کہ یہ بیت اللہ کا حصہ ہے اور اگر باہر سے گزرتے ہوئے اگر آپ حطیم کی دیوار پر ہاتھ رکھ کر گزریں تو آپ کا طواف ٹوٹ جائے وہ ہاتھ اندر چلا گیا اور طواف باہر کرنا ہے تو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے زمانے میں تعمیر ہوئی تھی جو جوانی میں جو اس میں انہوں نے حطیم اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ ان کے پاس پیسے کم ہو گئے اور کرسی انہوں نے اس لئے بنا دی اور دروازہ ایک کر دیا کہ ہر آنے جانے والا اندر نہ جائے قریش کے پاس چابی بھی ہو قریش کے پاس سیڑھی بھی ہو دروازہ بھی ایک ہو اور جسے ہم چاہیں اسے زیارت کرائیں اور جسے ہم نہ چاہیں۔ انہوں نے دین کے نام پر سارا کچھ کرنے کے باوجود اپنی نمبرداری جو ہے اس کو بھی ضرور اس میں داخل رکھا کہ ہمارا بھی اس میں حصہ ہو لوگ ہمارے بھی محتاج رہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا یہ حدیث آج بھی صحائح میں موجود ہے کہ اگر یہ لوگ نئے نئے مسلمان نہ ہوتے ان کے پریشان ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں بیت اللہ کو شہید کر کے ابراھیم علیہ السلام والی بنیاد پر اور اسی طرح بنا دیتا۔

جب یزید فوت ہوا اور حکومت مروان ابن الحکم کے پاس گئی تو حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اطاعت سے الگ ہو کر مکہ مکرمہ میں اپنی حکومت قائم کرلی انہوں نے اپنی حکومت میں بیت اللہ کو شہید کر دیا اس بات پر کہ نبی علیہ السلام نے ارادہ فرمایا تھا اور اس وقت جو عذر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ

لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور پریشان ہو جائیں گے کہیں گے بیت اللہ بھی ڈھا دیا اور سارا مذہب نیا بنا رہے اب تو وہ بات نہیں رہی انہوں نے بیت اللہ شہید کر کے بنائے ابراھیمی پہ بنا دیا آگے پیچھے دو دروازے رکھ دیئے درمیان سے کرسی ہٹا دی۔ مروان کے بعد عبدالملک رہا عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید سریرائے سلطنت ہوا تو ولید کے زمانے میں حجاج ابن یوسف نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا لڑائی ہوئی محاصرہ ہوا مکہ مکرمہ کا اور عین حرم میں لڑتے ہوئے حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے ان کی شہادت کے بعد حجاج نے بیت اللہ کو پھر سے شہید کر کے پھر اس طرح کر دیا جس طرح قریش نے بنایا تھا یہ تعمیر جو اب ہمارے سامنے ہے یہ وہ ہے جو حجاج ابن یوسف نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعمیر کو چھوڑ کر پھر اس طرح سے بنا دی جس طرح قریش نے بنائی تھی تو ولید جب فتح مکہ کے بعد حرم میں حاضر ہوا تو اسے بتایا گیا کہ بیت اللہ توڑ دیا گیا تھا اور بیت اللہ پر باہر سے گولہ باری ہوئی تھی اس سے بھی نقصان پہنچا تھا حرم کے پردے جل گئے تھے یہ ہوا تھا وہ ہوا تھا تو اس نے پوچھا حجاج نے کہا جی لڑائی میں یہ سب کچھ تو ہوتا ہے لیکن میں نے بیت اللہ کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توڑ کر اس کی شکل تبدیل کر دی تھی اور مستطیل سا مکان بنا دیا تھا اور اس کے دو دروازے تھے تو میں نے ایسا بنا دیا جیسا ہم نے اسے پایا تھا تو ولید نے علماء سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ صحیح وہ تھا جو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا اور یہ جو اس نے کیا یہ غلط ہے یہ اس لئے کہ یہ منشا نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر یہ لوگ نئے نئے مسلمان نہ ہوتے تو میں اسے اس طرح توڑ کر بنا دیتا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کیا وہ صحیح تھا ولید نے حکم دیا کہ پھر اسے اس طرح بنایا جائے جس طرح حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنایا تھا تو علماء نے اسے روک دیا کہ یہ بادشاہوں کے درمیان بازیچہ اطفال بن جائے گا اگر تم اسے توڑتے بناتے رہے جو بن گیا بن گیا اسے مت توڑو۔ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منشا نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا اس نے اپنی فتح کے جوش میں اور اپنی طاقت کے جوش میں اسے توڑ دیا لیکن اب اگر تم خلوص سے بھی توڑو گے تو کوئی عالم توڑنے کا فتویٰ نہیں دے سکتا کہ کل آنے والا مولوی کوئی دوسرا فتویٰ دے گا پھر وہ بیت اللہ کو توڑے گا اسی طرح بنائے گا۔ تو یہ درست نہیں ہے۔ بیت اللہ کی اپنی ایک حرمت ہے اس کی اپنی ایک عزت ہے۔

تو میں بات کر رہا تھا بدعت حسنہ کی بدعت حسنہ اس تعمیر کو کہیں گے جو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی۔ حقیقتاً" وہ بدعت نہیں ہوتی ہوتی سنت ہی ہے اس لئے اس میں حسن ہوتا ہے جس طرح نماز تراویح کو کہہ دیا گیا۔ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِہٖ یہ بدعت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تین روز پڑھائی۔ باجماعت پڑھائی اور صحابہ انتظار کرتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہیں لائے خدمت عالی میں عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتظار فرمائیں فرمایا اپنی اپنی پڑھ لو بہت خوبصورت نماز ہے میں ڈرتا ہوں کہ میرے پڑھانے سے کہیں تم پر اللہ فرض ہی نہ کر دے اور بہت لمبی نماز ہے تو لوگ تھک جائیں گے لوگوں نے اپنی اپنی پڑھی اور لوگوں نے چھیالیس تک تو سیرت میں ثابت ہیں کہ کسی نے بیس رکعت کم از کم پڑھیں لوگوں نے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس رکعت پڑھائی تھیں۔ پھر کسی نے بائیس کسی نے چھبیس کسی نے بتیس کسی نے چالیس چھیالیس تک ثابت ہے سیرت کی کتابوں میں کہ لوگ اپنی استعداد کے مطابق اسے پڑھتے رہے دو دو کر کے چار کے بعد تلبیہ پڑھتے تھے دو رکعت دو رکعت پڑھ کر تھوڑی دیر ستا لیا دو رکعت دو رکعت پڑھ کر پھر ستا لیا پھر پڑھ لیں پھر دو دو کر کے پڑھ لیں۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے پھر سے حکم دیا کہ یہ بھئی تو فرض ہونے والی بات تو نزول وحی تو اب ختم ہو گیا کیوں نہ پھر وہی جماعت کرا دی جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کرائی تھی تو وہ ہمارے ان معنوں میں تو بدعت نہیں تاکہ ہم کوئی رسم شروع کر دیں تو کہیں کہ بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے۔ بدعت میں حسن نہیں ہوتا وہ بھی سنت ہی ہوتی ہے بات ہو رہی تھی صلاحیت اور حسن کی تو ساری عمل کی صلاحتیں اور سارے عمل کا حسن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہ ہو اور اس کام کو ثواب سمجھا جائے گا وہ بدعت کہلائے گا مباحات تو آپ بدعت نہیں کہہ سکتے کھانے پینے میں جو چیزیں مباح ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں چائے نہیں پکتی تھی آج کس نے چائے بنا لی آپ بدعت کہہ دیں نہیں یہ مباحات میں ہے اس کے ساتھ اگر یہ عقیدہ وابستہ کر لیا جائے کہ چائے پینا باعث ثواب ہے تو وہ بدعت ہو جائے گی یعنی اسے اگر آپ عبادات میں داخل کرنا چاہیں گے اور اس کے ساتھ ثواب کا تصور لائیں گے تو بدعت ہو جائے گی کوئی بھی کام جس کی اصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں اور اس کے کرنے میں خواہ وہ کام مباح بھی ہو۔ بطور مباح کر لیں تو حرج کوئی نہیں لیکن اس مباح کو اگر آپ ثواب کا جامہ پہنا دیں تو بدعت ہو جائے گا۔ تو صلاحیت ہے جس طرح آپ خوبصورت سے خوبصورت کاغذ لے آئیں اسے مارکیٹ میں سکے کے طور پر قبول کوئی نہیں کرتا لیکن آپ پھٹا ہوا لے آئیں اور اس پر حکومت کی مہر ہو وہ کاغذ سرکاری ہو وہ سکے کا کام دیتا ہے۔ آپ بڑے سے بڑا خوبصورت عمل کر کے لائیں لیکن اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی مہر نہ ہو تو کوئی قیمت نہیں بارگاہ الٰہی میں چونکہ وہاں حکم کا معیار وہی مہر ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سنت کے عمل پر ثبت ہوتی ہے۔

تو فرمایا اس ساری پریشانی میں ہر چیز تہہ و بالا ہو جائے گی لوگوں کے حلئے چہرے آنکھیں نگاہیں بدل جائیں گی گرفتار ہو کر آئیں گے لیکن اس مارے ہنگامہ دارو گیر میں جس نے کام ایسے کئے ہوں جیسے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائے ہوں۔

فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا۔ اسے اتنے ہنگامہ دارو گیر میں کوئی ڈر نہیں ہو گا کوئی خطرہ نہیں ہو گا اس پر کوئی خوف نہیں آئے گا اسے کوئی پریشانی نہیں آئے گی نہ اس پر زیادتی کا کوئی ڈر ہو گا اور نہ اسے یہ اندیشہ ہو گا کہ کہیں میرا عمل ضائع ہی نہ ہو کیوں ضائع ہو جائے گا کوئی نقلی ہے جو ضائع ہو جائے گا۔ یعنی اگر اس سارے ہنگامہ داروگیر میں قیامت کے بہت بڑے زلزلے میں شر کے بہت بڑے دن میں بے فکری سکون اور اطمینان نصیب ہو گا تو اس شخص کو جس کا کردار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت حکم کے مطابق ہو گا عقیدے میں فتور آ جائے تو کام اس طرح سے بھی کرو جس طرح کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے تو اس کام کا رشتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ وابستہ نہیں ہو گا ہو سکتا ہے آپ نے دکھاوے کے لئے کر لیا ہو شہرت کے لئے کر لیا ہو کسی دنیوی فائدے کے لئے کر لیا ہو۔ تو فرمایا اس طرح ہم نے

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ قرآن حکیم کو عربی زبان کا جامہ پہنایا کیونکہ قرآن تو اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا قرآن الفاظ حروف اور زبان کی قید سے بالاتر ہے جس طرح اس کی ذات غیر محدود ہے اس طرح اس کی صفات بھی غیر محدود ہیں اور قرآن کلام باری ہے اور صفت ہے اللہ کی یہ زبانوں کا الفاظ کا حروف کا قیدی نہیں ہے فرمایا بندوں پر احسان کر کے میں نے اس مفہوم کو اپنے ارشادات کو عربی زبان کا لباس دے دیا قرآن تو وہی مفہوم ہے جو ان حروف کے اندر مقید ہے ان حروف کے پڑھنے سے جو فشاباری ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ ہے قرآن وہ ہے کلام باری اگر

یہی حروف ابجد جو ہیں عربی کے انہی سے کوئی اور جملہ لکھیں تو قرآن نہیں بنتا الفاظ وہی ہوں حروف وہی ہوں نہیں بنتا تو فرمایا قرآن حکیم کو ہم نے عربی کا جامہ اس لئے پہنایا۔

وَ صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ اور اس میں ہم نے کھری کھری باتیں ساری کی ساری بغیر ڈھکی چھپی کے بیان کر دیں۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ تا کہ لوگ تقویٰ اختیار کریں تقویٰ ہے اللہ کے ساتھ رشتہ جوڑنا اللہ کے دامان عافیت میں پناہ حاصل کرنا وہ کردار اپنانا جو رحمت باری سے متصل کر دے اس کا مستحق بنا دے اس کے دروازے پہ لے جائے۔

اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۔ یا پھر انہیں نصیحت تو ان کے کانوں میں پڑتی رہے قبول کرنے کا اختیار اللہ نے ہر فرد کو دیا ہے لیکن فرمایا میرا کلام ایک زبان میں ہو گا ایک کتاب میں ہو گا اسے پڑھنے والے اسے پڑھانے والے اسے بیان کرنے والے اس بات کو دہراتے تو رہیں گے لوگ یہ تو نہیں کہہ سکیں گے میدان حشر میں کہ بارالٰہا کہ اس مصیبت کو تو ہم جانتے ہی نہیں تھے یہ تو اچانک ہمارے سامنے آگئی ہمیں پتہ ہوتا تو ہم اس سے بچ نہ جاتے۔

اب حال یہ ہے کہ یہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کو اگر میں اس سے دس گنا بڑھا کر بھی کہوں تو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی آدمی قیامت کے حال سے بے خبر ہے کم از کم مسلمانوں میں۔ اب تو یہ تصور ان اقوام میں بھی پیدا ہو گیا ہے جو سرے سے ذات باری کیوجود کے قائل ہی نہیں تھے اب تو انہیں ان کی میڈیکل سائنس یہ بتا رہی ہے کہ یہ سارا جو نظام انسانی زندگی کا ہے یہ اپنے منطقی انجام کا تقاضا کرتا ہے صرف موت اس کا کوئی انجام نہیں ہے یہ اتنا لمبا اتنا ایک ایک سیل ایک ایک ذرہ اس قدر اندازے سے وقت کا انداز قوت کا اندازہ وزن کا اندازہ ان سارے اندازوں میں اتنی ایکوریسی اور اتنی صحیح ہے کہ حیرت ہو جاتی ہے دیکھنے والے کو پھر وہ کہتا ہے یہ ایک ایک ذرہ جوڑ کر اتنی بڑی عمارت بنا کر اسے گرا کر خاک میں ملا دینا یہ تو کسی عقل اور کسی بھی ہوش کا کام نہیں ہے یہ تو کوئی پاگل ہی ہو گا جو ایسا کرے اور اگر پاگل ہے تو وہ اتنی بڑی تنظیم سے اتنی بڑی عمارت نہیں بنا سکتا اور اگر پاگل نہیں ہے دانا تر ہے تو اتنی بڑی تعمیر کو بغیر کسی منطقی نتیجے کے کوئی ضائع نہیں کرتا۔ لہٰذا اب تو جو لوگ وجود باری کے قائل نہیں وہ بھی اس تلاش میں ہیں کہ یہ ہے کیا۔ یہ کچھ نہ کچھ ہو گا یہ محض مرجانا جو ہے یہ خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ اتنا بڑا نظام دریافت کیا ہے سائنس نے جہاں تک سائنس کی نگاہ پہنچی ہے تو ایک نطفے سے لے کر انسان کی زندگی گزارنے تک اور ایک وجود میں ایک لمحے میں کتنی تبدیلیاں آتی ہیں یہ سائنس کی چیز۔ ہمیں یہاں بیٹھے ہوئے آدھا گھنٹہ گزر گیا ہم جو بیٹھے ہیں کوئی بات کر رہا ہے کوئی بات سن رہا ہے کچھ ریلیکس کر رہے ہیں اونگھ رہے ہیں لیکن اس آدھے گھنٹے میں کتنی ٹوٹ پھوٹ ہوئی بدن کے اندر کتنی نئی تعمیر ہوئی اگر سائنس کی آنکھ سے دیکھیں اس کو تو آدمی کا سر چکرا جاتا ہے کہ یہ اللہ ہی کا کام ہے اور اس کی قدرت کاملہ کر سکتی ہے اس کے علاوہ کوئی اتنا بڑا کام کر نہیں سکتا تو اللہ نے اللہ کے دین نے اللہ کی کتاب نے تو بنیاد ہی اس بات پر رکھی کہ وہ جو انجام ہے اس ساری تعمیر کا اس میں کامیابی اور ناکامی کس بات پر ہے لیکن اس کی تیاری کے لئے فرمایا

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ یہ تقویٰ کیا ہے تقویٰ ہے انسانی دل انسانی ضمیر انسانی مزاج کی اللہ کریم کے ساتھ وہ آشنائی کہ وہ اللہ کی نافرمانی نہ کر سکے اتنا تعلق اللہ کے ساتھ اتنا قرب اللہ کے ساتھ کہ ہر کام میں اسے یہ خیال رہے کہ اس بات سے اللہ کریم تو خفا نہیں ہو جائیں گے اور اگر خفا ہوں گے تو میں یہ نہیں کرتا میں یہ نقصان برداشت کر لوں گا بھوک برداشت کر لوں گا اگر کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ میری اس میں توہین ہو گئی تو خیر ہے مجھے توہین پسند ہے لیکن اللہ کریم کی ناراضگی پسند نہیں اب یہ کیفیت کیسے پیدا ہو یہ کیفیت دل کی حالت کا نام ہے تقویٰ رومال باندھنے سے نہیں ہوتا تقویٰ لمبی سی تسبیح گلے میں ڈالنے سے نہیں ہوتا تقویٰ لمبا کرتہ

سلوا لینے سے نہیں ہوتا تقویٰ کوئی حلیہ بنا لینے سے یا کوئی خاص ایک شکل اختیار کر لینے کا نام نہیں ہے تقویٰ دل کے اس حال کا نام ہے دل کی اس تبدیلی کا نام ہے جہاں اسے جنون کی حد تک اللہ کی رضا کا خیال ستا رہ ہو اور ہر اس کام سے بچنے کی کوشش کرے جن میں اللہ کی ناراضگی کا ڈر ہو اس کیفیت کو پانے کے لئے سب سے بڑا نسخہ جو نبی کریم کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات میں سمو دیا تھا رب جلیل نے وہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اک نگاہ پڑ گئی یا مومن کی نگاہ وجود اطہر پر پڑ گئی اس ایک نگاہ میں وہ صحابی ہو گیا۔ صحابی ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اس کے بدن کا ہر سیل اللہ کا ذکر کرنے لگ گیا نہ صرف دل بلکہ اس کا گوشت پوست خون اور ہڈیاں بھی اللہ کے ذکر میں مصروف ہو گئیں۔

ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ۔
کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ذاکر ہو گیا ہاتھ ذاکر ہے آنکھ ذاکر ہے قوت عمل پاؤں پٹھے اعصاب گوشت پوست ہڈیاں پر انگ انگ ذاکر ہے ہر ذاکر چیز کو اللہ کی اطاعت کے خلاف لے جانا آسان نہیں تھا غلطی تو ہو سکتی تھی لیکن اس غلطی پر انہیں قرار نہیں آتا تھا اور یہی نسخہ اللہ نے ہمیشہ کے لئے تمام انسانیت کو بتا دیا۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو قرار آئے گا دل اپنی جگہ پر پہنچیں گے اور دلوں میں وہ کیفیت آئے گی کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں جم کر کھڑے ہو سکیں۔ تو بارہ گاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تھی وہ ایک ایسا ادارہ تھا کہ چشم فلک نے نہ اس سے پہلے دیکھا نہ اس کے بعد کوئی سوچ سکتا ہے کہ ایسا ہو گا ایک ہی صف پر بیٹھنے والے ایک ہی استاد کے شاگرد ایک ہی لمحے کی توجہ حاصل کرنے والے جرنیل بھی بن گئے محدث بھی بن گئے مفسر بھی بن گئے فقیہہ بھی بن گئے استاد بھی بن گئے سپاہی بھی بن گئے کاروباری بھی بن گئے سیاست دان بھی بن گئے حکمران بھی بن گئے سلطان بھی بن گئے دنیا کے ہر شعبہ زندگی کی تربیت اسی ایک صف پر بیٹھے ہوئے اسی ایک نگاہ میں ملتی ہے اور اسی کی نظیر نہیں مل سکتی نہ ایسا سوچا جا سکتا ہے لیکن زمانہ اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چیزیں تقسیم ہوئیں کام بٹ گئے تفسیر کے شعبے کے لئے الگ سے لوگوں نے عمریں صرف کر دیں مفسر حدیث سے واقف تھے فقہ سے واقف تھے ذکر الٰہی سے واقف تھے ان کے قلوب ذاکر تھے لیکن عمریں انہوں نے تفسیر کی خدمت پر لگا دیں دوسرے نے حدیث کا شعبہ سنبھالا کسی نے تبلیغ کا کام کیا کسی نے اصلاح کا کام کیا تو جو مختلف شعبے بٹ گئے یہ جو ادارے ذکراذکار کے' یہ تصوف کے سلسل جو بنے انہوں نے وہ شعبہ اپنایا کہ آپ تعلیم تولیں علماء سے مساجد میں مدارس میں گلی محلے میں گھر میں آپ علماء ظواہر سے مولوی صاحب سے قرآن کا مفہوم پوچھیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پوچھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پوچھیں دین پر عمل کرنے کے طریقے پوچھیں لیکن ان پر عمل کرنے کو دل کب چاہے گا اس دل کو اس طرح سے بنانا یہ صوفیوں کا کام ہے جب شعبے بٹے تو یہ سب سے جو نازک شیشہ دل کو صاف کرنے کا جو کام تھا اور سب سے زیادہ جو توجہ طلب کام تھا وہ ان لوگوں کے حصے میں آیا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا کام یہ ہے صوفی کی پہچان یہ ہے کہ اس کی توجہ سے اس کے پاس بیٹھنے سے اس کے ساتھ ذکر کرنے سے دل میں وہ کیفیت آجائے کہ شرعی احکام پر عمل کرنے کی توفیق ارزاں ہو جائے انجام جو ہو گا وہ اسی کردار پر ہو گا جو ہم نے شریعت کے مطابق انجام دیا ہے لہٰذا ذکر کر کے ہم فارغ نہیں ہو سکتے ذکر کر کے اپنی ذمہ داریوں سے نہیں بھاگ سکتے ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندہ ضدی بن جائے بلکہ وہ نوید حیات ہے وہ رگوں میں دوڑتا ہوا خون ہے وہ نگاہوں کی تیزی ہے اور ارادے کی اس بلندی کا نام ہے کہ جو دوسرے غیر ذاکر لوگوں سے زیادہ کام کرنے کی توفیق پیدا کر دے اور مزا اسی وقت آئے کہ دوسروں کی نسبت کام بھی زیادہ کرے اور ہر کام جو ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی سنت کے مطابق ہو یہی معیار ہے سلاسل تصوف کا ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اسلام کی اس بنیادی تعلیم سے ہٹ گئے اس اسلام کی بنیاد اس بات پر تھی کہ دنیا کا فائدہ نہ فائدہ ہے اور نہ دنیا کا نقصان کوئی نقصان ہے نقصان وہ ہے جو آخرت میں نقصان ہو اور نفع وہ ہے جو روز حشر کو نصیب ہو اگر روز حشر کو نفع آ رہا ہے تو اس کے لئے ساری دنیا بھی قربان کرنی پڑ جائے تو یہ کوئی نقصان نہیں ہے اور اگر روز حشر کو نقصان ہو رہا ہے تو اس کے لئے ساری دنیا بھی مل جائے تو یہ کوئی نفع نہیں ہے یہ تھی بنیاد اسلام کی یہی ہے اور یہی رہے گی ہماری بد نصیبی یہ ہے کہ ہم نے اسلام کو بھی اس ترازو میں تولا جس طرح ہندو اپنے دیوتا کی پوجا کو تولتا ہے کہ فلاں دیوی یا فلاں دیوتا کی پوجا کی تو فلاں دنیا کی نعمت مل جائے گی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے دس سال ہو گئے نمازیں پڑھتے ہوئے اب باقی جو کائنات کا نظام ہے اللہ میرے کہنے پر چلائے گا جہاں میں کہہ دوں گا وہاں بارش ہو جائے گی جہاں میں کہہ دونگا وہاں دھوپ نکل آئے گی یعنی بندگی کرتے کرتے بندہ خدا بن گیا کمال ہو گئی بھئی کتنی اونچی فلاسفی ہے کہ بندگی تو بندہ بننے کے لئے کی اور بندگی کا یہ تصور لے لیا کہ بندگی کرتے کرتے حاکم بن گئے کیسے ممکن ہے۔ عبادت تھی قرب الٰہی کے لئے۔

حضرت ابراھیم ادھم رحمت اللہ علیہ کی سوانح میں پڑھ رہا تھا تو ان کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ بیت اللہ سے پشت لگائے بیٹھے تھے تو ایک بزرگ آدمی پاس آ کر کھڑے ہو گئے تو انہوں نے کوئی توجہ نہیں فرمائی انہوں نے اپنا تعارف کرایا مجھے خضر کہتے ہیں انہوں نے کہا اچھی بات ہے کہتے ہوں گے انہوں نے کہا آپ نے مجھے کوئی اہمیت نہیں دی۔ فرمایا مجھے آپ سے کوئی کام نہیں ہے میں آپ کے تعارف سے کیا کروں گا مجھے آپ سے کیا حاصل ہونا ہے میں اپنے کام میں مصروف ہوں آپ اپنا کریں تو کہنے لگا بھئی تو بھی اللہ اللہ ہی کر رہا ہے اور میری زیارت کے لئے تو لوگ چلے کاٹتے ہیں ترستے ہیں فرمایا کیوں؟ کہ میں جو دعا کرتا ہوں قبول ہو جاتی ہے کہنے لگے پھر تو بات بن گئی میرے لئے دعا کریں اللہ مجھے نبی بنا دے انہوں نے کہا آپ کیسی باتیں کرتے ہیں میرے کہنے پہ نبی بنائے گا تو کہنے لگے حکومت دنیا کی میرے پاس تھی وہ میں چھوڑ چکا ولایت دین کی اللہ نے مجھے پہلے دے دی ہے پھر کوئی نئی چیز آپ سے مانگوں تو وہی دے جو میں حاصل نہیں کر سکا اور اگر آپ نہیں دلا سکتے تو مجھے آپ سے کیا لینا آپ اپنا کام کریں مجھے اپنا کرنے دیں یعنیؒ وہ کیفیت جو اللہ سے اتنا قریب کر دے سیدنا ابراھیم علیہ السلام کو جب آگ میں پھینکا جانے لگا تو فرشتوں نے فریاد کی کہ بارالٰہا کسی کافر کو اتنی مہلت دے دی تو نے کہ ابراھیم جیسے تیرے دوست کو آگ میں پھینک رہا ہے ہمیں اجازت دے دے ہم کافروں کو تباہ کر دیں اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کو بچالیں تو فرمایا آگ میں جسے پھینک رہے ہیں اجازت ہے اسی سے جا کر پوچھ لو ابراھیم علیہ السلام سے جاکر پوچھ لو وہ کہتا ہے تو بچا لو تو فرشتوں کا جو بھی ان کی طرف سے نمائندہ حاضر ہوا آپ علیہ السلام کا حال یہ تھا کہ لباس کافروں نے اتار لیا تھا ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے بہت بڑا انہوں نے پنگھوڑا ایسا بنایا تھا کیونکہ میلوں تک تپش جاتی تھی اس کی اور بہت بڑے بڑے پول لگائے تھے اس کے اسے پینگ کی طرح جھوٹے دیئے جائیں جب جا رہی ہو پورے زور سے پیچھے سے گانٹھ کھول دی جائے تو وہ پورا لے کر انہیں آگ میں جا گرے تو اس میں جب وہ رکھ کر جھولا دینے لگے تو فرشتوں نے آ کر عرض کی کہ ہم نے بارگاہ الٰہی میں جا کر عرض کی اللہ نے آپ علیہ السلام پر چھوڑ دیا اگر آپ علیہ السلام اجازت دیں اور آپ علیہ السلام کو اس میں سے نکال لیں تو انہوں نے فرمایا "اللہ کریم دیکھ رہے ہیں؟" بیشک دیکھ رہے ہیں۔ "پھر تمہاری کیا ضرورت ہے' تمہیں کیوں فکر ہے دیکھ بھی رہا ہے بچانا چاہے تو بچا بھی سکتا ہے حال سے واقف بھی ہے ہر چیز پر قادر بھی ہے تو پھر میں جانو میرا رب جانے تم درمیان میں کیوں آتے ہو وہ جلا کر راضی ہے تو ہم جل کر خوش

ہیں بچانا چاہے تو خود بچالے گا۔"

تقویٰ اس کیفیت کا نام ہے کہ بندے کو اللہ کے اتنا قریب لے جائے کہ اسے پتہ ہو کہ میرے ایک ایک ذرے کی نگہبانی وہی کر رہا ہے دنیا میں ہر معاملہ اس کی رضا مندی کے لئے کروں گا والدین سے اولاد سے بہن بھائیوں سے دوستوں سے حتیٰ کہ دشمنوں سے بھی معاملہ کرنے میں مومن بے مہار نہیں ہے دشمن کی بھی حدود ہیں اسلام میں' لڑنے کے بھی قاعدے اور ضابطے ہیں اور لڑنا بھی اس کی رضا اور اس کے حکم سے ہے اور صلح بھی اسی کے حکم سے کرنی ہے تو یہ کیفیت نصیب ہوتی ذکر الٰہی سے سلاسل تصوف ادارے ہیں جو یہ تربیت دیتے ہیں عمل کرنے کے لئے سیکھنے کے لئے آپ کو علماء ظواہر کے پاس جانا پڑے گا آپ علماء سے مستغنی نہیں ہو سکتے دوسروں کو بتانے کے لئے آپ کو ان کے پاس جانا پڑے گا۔ لیکن آپ کی تبلیغ تب ہی موثر ہو گی جب آپ کا اپنا دل جو ہے اللہ کے ساتھ پیوست ہو جائے آپ کے اپنے دل میں شکوک ہوں کہ پتہ نہیں آخرت ہو گی یا نہیں ہو گی دوسرے کو جا کر کیا بتائیں گے ایک رسم رہ جائے گی ایک رواج رہ جائے گا ایک فیشن بن جائے گا اس کا اثر اور اس کا نتیجہ نہیں ہو گا۔ جو آج ہم دیکھ رہے ہیں وعظ بھی ہوتے ہیں تقریر بھی ہوتی ہیں بے شمار دینی مواد چھپتا بھی ہے ہم پڑھتے بھی ہیں اسی ملک عزیز کو دیکھ لیں میرے خیال میں ہر تیسرا آدمی حاجی ہے لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہر سال حج کرتے ہیں پچاس ساٹھ ہزار تو باقاعدہ حج پر جاتے ہیں جو ویزے لے کر پہلے گئے ہوتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں جو دوسرے ذرائع سے جاتے ہیں جو باہر کے ممالک سے پاکستانی آجاتے ہیں لاکھوں کی تعداد ہو جاتی ہے۔ تو یہ جو ہر تیسرا آدمی حاجی ہو گیا ہے اب حال یہ ہے کہ کسی بھی باریش آدمی کو دیکھ کر آپ حاجی صاحب کہہ دیتے ہیں اس لئے کہ اکثریت ہے ہی ایسی۔ لیکن وہ حاجی ہے یا واعظ ہے یا مبلغ ہے آپ چار آنے کا سودا خریدتے وقت اس پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں تو کیا فائدہ اس ساری نیکی کا تو جب عملی زندگی میں آپ میدان عمل میں پہنچے تو رائی برابر برداشت نہیں کر سکتے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہی کرونگا جو اللہ کریم کا حکم ہے کیا فائدہ ہوا نتیجہ تو اس عملی زندگی پر ہو گا نا نتیجہ تو اس حلیے پر آپ کے اس لمبے سے لباس پر یا آپ کے مختلف چہروں پر یا مختلف طرح کے منکے پہننے پر نہیں ہو گا نتیجہ تو ہو گا۔

وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ۔

عمل پر مہر ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمل صالح ہو اور عقیدہ وہ ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمایا اس عقیدے کی تعمیر اس عمل کی اصلاح کی فکر اور ایسا عمل کرنے پر مزاج کو آمادہ کرنے کا نام فن تصوف ہے آج کے زمانے میں وہ جو کہا گیا ہے نا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

بہت بڑی ناکامی بہت بڑی زیادتی بڑا نقصان ہوا کہ کاروان کی ساری دولت لٹ گئی اس نے کہا جی کیا دولت تھی کاروان کے پاس کیا لٹا اس قافلے کا فرمایا ان کے دل سے اندیشہ زیاں جو ہے وہ جاتا رہا احساس زیاں رہا انہیں اپنے ضائع ہونے کا احساس ہی نہیں ہو رہا نقصان تو یہ ہو گیا اصل نقصان ہی بندے کا یہ ہے کہ اسے خود اپنی ذات کے ضائع ہونے کا بھی احساس نہ رہے اسے یہ فکر بھی نہ رہے کہ میں اپنی اس ساری کروفر کے سمیت کس جہنم میں جا رہا ہے اب حال یہ ہے کہ صرف یہ اندیشہ زیاں احساس زیاں ہی نہیں اٹھ گیا بلکہ لوگ اب اس فن کو جو یہ احساس زیاں دیتا ہے اسے فالتو کہنے لگے اور اس سے روکنا چاہتے ہیں اس سے منع کرتے ہیں عجیب بات ہے آپ کلب جاتے رہیں کوئی نہیں روکے گا آپ سینما دیکھتے رہیں کوئی نہیں روکے گا آپ بازار پھرتے رہیں روکنے والا کوئی نہیں دو دن ذکر کریں تیسرے دن پچیس فقہی پاس بیٹھے ہوں گے اس کا کیا جواز ہے یہ نہیں کرنا چاہئے وہی بندہ ساری عمر شراب خانے جاتا رہے کوئی فقہی اسے سمجھانے نہیں آتا کوئی بندہ سینے میں

رات بسر کر دے کوئی اسے روکنے نہیں جاتا وہی بیبیاں سارا دن بازار گھومتی ہیں کوئی ان سے مسئلہ نہیں پوچھتا وہی بچیاں نیکریں پہن کر ہاکیاں کھیلتی پھرتی ہوتی ہیں کوئی انہیں منع کرنے نہیں جاتا کلبوں میں ناچتی ہیں ٹیلی ویژن پر ناچتی ہیں والدین دوسروں کو بلا کر دکھاتے ہیں کہ ہماری بچی یہ گانا پیش کر رہی ہے انہی کو اللہ اللہ پر لگا دو تو پندرہ سو فتھی آ جاتے ہیں۔

یعنی سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ جو شے وجہ حیات تھی ہم اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے اور یہ بہت بڑی زیادتی بہت بڑی محرومی ہے کہ کوئی اپنی حیات ہی سے بیزار ہو جائے کوئی اس لئے آنکھ بند کر لے کہ میں دیکھوں گا کہ میں بہت بڑے ویرانے میں ہوں تو مجھے ڈر لگے گا بلکہ اسے تو زیادہ آنکھ کھلی رکھنی چاہئے کہ ویرانے کے خطرات سے بچ کر کوئی راہ نجات تلاش کروں اور آج کا جو دور ہے اس زمانے کا انسانی مزاج اتنا بگڑ چکا ہے اس میں اتنی ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہے کہ آپ نے کبھی اندازہ نہیں کیا کبھی تنہا بیٹھ کر آپ سوچئے کہ اس گلوب پر کتنی نافرمانی کتنا ظلم ہو رہا ہے اور اطاعت کی اس میں نسبت کیا ہے اللہ کے ساتھ ایمان کی اور اللہ کے ساتھ اطاعت کی نسبت کیا ہے اس میں روشنی کتنی ہے اور ظلمت کتنی پھیل رہی ہے وہ جو ظلمت ہے پورے اپنے صحن میں پھیل رہی ہے وہ ہر مزاج کو توڑتی ہے جب باہر لو چلتی ہے تو مسجد میں بیٹھے ہوئے آدمی کو بھی کچھ نہ کچھ تپش دے جاتی ہے یہ جو پورے ماحول میں بگاڑ کی ہوا چل رہی ہے یہ اچھے بھلے دینداروں کے مزاجوں کو بھی توڑتی ہوئی گزرتی ہے اور اس دور میں میری سمجھ کے مطابق اس وبا سے بچنے کے لئے سوائے ذکر قلبی کے کوئی جائے پناہ باقی نہیں رہی حتیٰ کہ حال یہ ہے کہ وہ جن کو تیس تیس سال ہو گئے ذکر کرتے ہوئے ان کی اصلاح نہیں ہو پا رہی یعنی آج کا مزاج اتنا بگڑ گیا ہے کہ ذکر کا ایک لمحہ جو انسانی مزاج کو درست کر دیتا تھا اس دوا کو کھاتے بھی تیس تیس برس گزر گئے کلی شفا نصیب نہیں ہو رہی تو جو سرے سے کھاتے ہی نہیں ان کا حال کیا ہو گا مرض تو سب کا مشترک ہے اور ایک دوائی ایک مریض کھا رہا ہوتا ہے اس کے باوجود اسے تکلیف ہوتی ہے تو اس مرض کا مریض اگر سرے سے دوائی کھانا ہی چھوڑ دے تو کیا حشر ہو گا تو یہ جو آپ کو اللہ اللہ کرنے والوں میں بھی قصور نظر آتا ہے ہم میں خطائیں ہیں مجھ میں بھی ہیں کمزوریاں مجھے پینتیس برس ہو گئے ذکر کرتے ہوئے رات دن صبح شام میرا کام ہی یہی ہے میں یہ سمجھتا ہوں اتنی محنت کے باوجود اگر میری پوری نہیں اصلاح ہو رہی دوسرے کوئی فرشتے تو نہیں ہیں انسان ہی ہیں تو جو سرے سے ذکر کرے گا نہیں وہ کہاں بچے گا اور ذکر نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ اپنی شناخت کھو چکے ہیں اپنی حلئے کھو چکے ہیں آج کے جوان کو دیکھو اس کے دادا کو لے آؤ تو پتہ نہیں چلے گا یہ اس کی نسل ہے اس کا حلیہ اور ہے لوگوں کے قد کاٹھ اور باڈی سٹریچر تبدیل ہو گئے ہیں ان کی ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے معاشرے میں تو جہاں اتنی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے کہ آنے والی نسل اپنے بزرگوں سے نہ انگ میں ملتی ہے نہ قد میں ملتی ہے نہ لباس میں ملتی ہے نہ بات کرنے کے انداز میں ملتی ہے نہ ان کی سوچ کا زاویہ ملتا ہے تو ان کے باطن ان کے ضمیر ان کی سوچ کا زاویہ ملتا ہے تو ان کے باطن ان کے ضمیر ان کے قلوب کیسے ملتے ہیں اگر اتنی شدت سے ٹوٹ پھوٹ آ رہی ہے کہ اب جو ننھا بچہ انگلی پکڑوا کر ساتھ لے کر چلتے ہیں آپ کو بتانا پڑتا ہے یہ میرا بیٹا ہے ورنہ آپ خرکار نظر آتے ہیں اور وہ کسی افسر کا بیٹا نظر آتا ہے اتنی تبدیلی آگئی ہے ایک خاندان ایک گھر کے اندر باپ اور ایک بیٹے کے اندر تو اگر فزیکل سٹرکچر جو آپ کو نظر آ رہا ہے اس میں اتنی تبدیلی آگئی تو باطن تو بہت نازک شیشہ ہے دل کا اس میں کتنی ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہو گی اس کو جوڑنے کا اور کوئی گوند کوئی سریش اس کو چمکانے کی اور کوئی پالش ہے نہیں بجز ذکر الٰہی۔

جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لِكُلِّ شَیْءٍ صِقَالَتہٌ وَ صِقَالَتہُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰہِ ہر چیز کی

پاش ہے دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔

تو یہ جو گذارشات آپ سے کی جاتی ہیں یا وہ جو پابندیاں لگائی جاتی ہیں یا جنہیں آپ سمجھتے ہیں بڑی سختی ہے یہ سختی نہیں ہے میرے بھائی مرمت میں کوٹا کاٹی سے ہی مرتیں ہوتی ہیں دیواروں سے اینٹیں گرتی ہیں تو آرام سے گارے سے نہیں رکھی جاتیں ٹھونک کر لگانی پڑتی ہیں یہ جو ٹوٹ پھوٹ ہے نا ہماری اسی ٹھوک ٹھاک سے اللہ کرے مرمت ہو جائے اور کم از کم جتنے دن یہاں رہتے ہیں اس میں قصہ خوانی نہ کریں لوگوں کے ساتھ گپ نہیں لگائیں پچھلے تفکرات کو گیٹ کے اندر نہیں لائیں یہاں سے جا کر ہوٹلوں پہ مت بیٹھیں جس طرح معتکف اپنا وقت گزارتا ہے اس طرح سے اپنے وقت ذکر الٰہی میں بسر کریں اللہ کرے کچھ دل تو اللہ کی یاد سے زندہ رہیں کہیں تو اللہ کے نام کی روشنی بھی ہو کہیں تو یہ کہا جا سکے کہ یہ اسلامی زندگی کی جھلک ہے کسی کے کھانے کے انداز کسی کے پینے کے انداز کسی کی دوستی دشمنی کسی کے ملنے بیٹھنے کے انداز۔ اور یاد رکھو فساد کبھی فساد سے رفع نہیں ہوتا فساد ہمیشہ اصلاح سے رفع ہوتا ہے اب معاشرے میں ہر بات کا دفاع فساد سے کیا جائے یہاں ہر بات کا جواب بندوق سے دیے جانے کا رواج ہو گیا ہے اس سے اصلاح نہیں ہوتی اس سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے اصلاح ہمیشہ محبت سے ہوتی ہے اور محبت ہمیشہ ان دلوں میں ہوتی ہے جس میں للہیت ہو۔ اللہ کریم ہمیں اپنے نام کی برکات سے بھرپور طور پر مستفید فرمائے ہماری اصلاح فرمائے ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائے اور ہمیں یہ توفیق بخشے کہ اللہ کی مخلوق کو اس کے دروازے پہ لا سکیں اور بے شمار دلوں کو اس کے نام سے روشن کر سکیں۔

ایک درہم

خلافت کے پہلے روز کا حال یہ ہے کہ جانشین رسول صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ المسلمین دن بھر امور سلطنت میں مصروف رہ کر شام گھر آتا ہے تو کھانے کے لئے آٹا تک موجود نہیں۔ بازار میں خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آواز دیتا ہے کہ کسی کو مزدور کی ضرورت ہو تو مزدور موجود ہے۔ لوگ باہر آکر دیکھتے ہیں تو خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آواز دیتا دکھائی دیتا ہے اندر چلے جاتے ہیں۔ آخر ایک آدمی آتا ہے کہ میری بکری لنگڑی ہے اٹھا کر میرے گھر پہنچا دو۔ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مزدوری کرتا ہے۔ ایک درہم ملتا ہے اور رات کے کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔

(الدین الخالص ص ۳۵۱۔ مولانا اللہ یار خان رحمت اللہ علیہ)

اسلامی اتحاد اور فرقہ واریت

پروفیسر حافظ عبدالرزاق، ایم اے

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ عنوان کا ہر لفظ نہایت گہرے حقائق کی غمازی کرتا ہے۔ اسلامی اتحاد کی ترکیب کو دیکھئے اتحاد کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگا کر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اتحاد غیر اسلامی بھی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا مطلق اتحاد کوئی قابل تعریف چیز نہیں بلکہ یہ تو ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اگر مقصد اچھا ہے تو اسی کے لئے جو اتحاد قائم کیا گیا ہے وہ بھی اچھا۔ اگر ایسا نہیں تو اتحاد بھی کوئی قابل تعریف اقدام نہیں مثلاً چور یا ڈاکو اتحاد کر لیں تو وہ معاشرے کی مصیبت میں اضافہ ہوگا لہٰذا یہ دیکھنا پڑے گا کہ اسلامی اتحاد کہتے کسے ہیں۔ علامہ اقبال نے اس سلسلے میں ایک شعر کہا ہے جسے اسلامی اتحاد کی تعریف کہنا بے جا نہ ہوگا۔ شعر ہے ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کاشغر

یعنی اسلامی اتحاد وہ ہے جس کا مقصد حرم کی پاسبانی ہو۔ اگر یہ نہیں تو وہ اسلامی اتحاد نہیں۔ حرم کی پاسبانی کیا ہے۔ دین کی حفاظت دین کا غلبہ اور دین کی اشاعت اس کے بغیر کوئی اتحاد اسلامی نہیں۔

اسلامی اتحاد کی اہمیت کا اندازہ صرف ایک بات سے ہوسکتا ہے۔ وہ یہ کہ یوں تو اللہ کریم کی نعمتوں کا شمار نہیں ہوسکتا۔ مگر کچھ نعمتیں ایسی ہیں جن کا ذکر اللہ کریم نے اپنی آخری کتاب میں بڑے اہتمام سے کیا ہے۔ ان میں سے ایک نعمت یہی اسلامی اتحاد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **واذکر و نعمت اللہ علیکم اذا کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا**" ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ نعمت ہاتھ سے نکل گئی۔ تو گویا مسلمان اللہ کے غضب کا شکار ہوگئے اور آج واقعی مسلمان جہاں کہیں بھی بستے ہیں اللہ کے غضب میں مبتلا ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اسلامی اتحاد قائم کیسے ہوا اور اب مسلمان اس سے محروم کیوں ہوگئے تو اس کا نسخہ اللہ کریم نے بڑے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا**" یعنی سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اتحاد قائم ہو جائے گا اللہ کی رسی کون سی ہے؟ یہ اللہ کا دین ہے۔ اللہ کا دین کہاں سے ملتا ہے؟ اللہ کی کتاب سے۔ مسلمانوں نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا۔ اتحاد ختم ہوگیا۔ اقبال نے ماضی اور حال کا کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

یعنی مسلمان ہونا کیا ہے؟ قرآن کو غیر مشروط طور پر زندگی کے ہر شعبے میں اپنا راہنما بنانا اور بس اس کے علاوہ

اسلامی اتحاد کی کوئی کوشش کارگر نہیں ہوسکتی۔ بس ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ مسلمان پلٹ کر قرآن کی طرف آئے۔ لیکن اس کے برعکس حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کے بعض حکمران، کفر کے گھر جا کر اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ قرآن کی سزائیں ظالمانہ ہیں۔ اس دیدہ دلیری کے ساتھ قرآن کی طرف پلٹنے کی توقع ایسی ہے جیسے زہر سے تریاق کا کام لینے کی کوشش کی جائے۔ جب مسلمان حکمرانوں کا یہ حال ہے تو جمہوریت کی اسی لعنت میں جب عوام نے ان کو حکمران منتخب کیا ہے ان کا کیا حال ہوگا۔ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ پس اگر حکومت اور عوام اگر واقعی اسلامی اتحاد چاہتے ہیں تو قرآن کی طرف پلٹ کر آنے کے بغیر اس کی کوئی صورت نہیں۔

اب رہا فرقہ واریت کا سوال تو عنوان میں اس کے ساتھ اسلامی کا لفظ نہیں لگایا گیا جس کا صاف مطلب یہ ہے۔ فرقہ واریت اسلامی ہو ہی نہیں سکتی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں اسلام ہے وہاں فرقہ نہیں اور جہاں فرقہ ہے وہاں اسلام نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام وہ دین ہے جس کی بنیاد پانچ عقائد پر ہے۔ اور ان عقائد کے نتیجے میں پانچ عبادات کا نظام وجود میں آتا ہے۔ اسلامی عقائد اور عبادات کے نتیجے میں پوری اسلامی زندگی کا تانا بانا تیار ہوتا ہے۔

فرقہ اس وقت وجود میں آتا ہے جب اس کے کچھ مخصوص عقائد اور مخصوص عبادات مقرر ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب اسلامی عقائد میں کمی یا زیادتی کی تو وہ اسلام نہ رہا۔ جب وہ اسلام نہیں تو وہ اسلامی فرقہ کیسے بن گیا۔ جونہی کوئی عقیدہ اسلامی عقائد کی فہرست میں بڑھایا یا اس سے کم کیا۔ فرقہ تو بن گیا مگر وہ اسلام نہ رہا۔ لہٰذا اسلام میں فرقہ کا وجود ہی نہیں۔

کچھ علماء نما لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کو بنیاد بنا کر کچھ جماعتوں کو اسلامی فرقے کا نام دیتے ہیں مگر استدلال غلط ہے۔ حدیث کا مضمون یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ بنی اسرائیل 72 فرقوں میں بٹے میری امت کے 73 فرقے ہوں گے۔ مگر کلھم فی النار سب کے سب جہنمی ہیں۔ الا ملتہ واحدہ یعنی سوائے ایک ملت کے۔ اس سے ظاہر ہے فی النار صرف کافر کے لئے مومن کے لئے فی النار کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کر دیا کہ سب کفر کے فرقے ہیں اسلام کے نہیں اسلام کیا ہے الا ملتہ واحدہ کہہ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ سنا دیا کہ اسلام صرف ایک ہے۔ پوچھا گیا اس ملت کی پہچان کیا فرمایا۔

ماانا علیہ واصحابی یعنی جس روش پر میں اور میرے صحابہ چل رہے ہیں اس روش پر چلنے کا نام اسلام ہے اور وہ روش صرف ایک ہے اس لئے اسلام بھی ایک ہے۔ یہ جو مقلد، غیر مقلد اقتدار اہل حدیث دیو بندی اور بریلوی کا نام دیکر انہیں فرقے کہا جاتا ہے یہ ایک تاریخی اور گہری سازش کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب و سنت کی مختلف تعبیریں ہیں فرقے نہیں۔ کیا ان میں سے کسی گروہ نے اسلامی عقائد کی فہرست میں کسی عقیدے کا اضافہ کیا ہے۔ یا کوئی عقیدہ کم کیا ہے کیا کسی گروہ نے اسلامی عبادات میں سے کسی ایک عبادت کا انکار کیا ہے۔ یا اس فہرست میں کسی منصوصہ عبادت کا اضافہ کیا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ فرقے کیونکر بن گئے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے پاکستان میں کوئی ماتحت عدالت کسی مقدمے میں کسی کو سزا سنا دیتی ہے۔ وہ اپیل کرتے ہیں ہائی کورٹ اسے بری کر دیتی ہے۔ اب بتائیے کیا دونوں عدالتوں میں قانون جدا ہیں یا ملک کا قانون ایک ہے صرف قانون کی تعبیریں مختلف ہیں۔ تو اس بنا پر آپ ایک جج کو کہیں گے یہ قانون کا وفادار دوسرا جج پاکستان کا غدار ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ ایسا بالکل نہیں کہیں گے تو پھر یہاں آپ کے باٹ بٹنے کے باٹ کیوں بن جاتے ہیں کہ قانون کی تعبیر میں اختلاف کی وجہ سے آپ انہیں مختلف فرقوں کا نام دیتے ہیں۔

اچھا ذرا تاریخ میں جھانکئے کیا 1860ء سے پہلے اس ملک میں یہ فرقے تھے؟ اگر نہیں تو آج کہاں سے آگئے۔ سنئے 1862ء میں انگریز نے قانون بنایا تھا کہ کاغذات مال میں مسلمانوں کے امام مسجد کو کمیں لکھا جائے۔ ہندوؤں کے ساتھ رہنے سے مسلمانوں میں بھی اونچی نیچی ذات کا عقیدہ گھر کر گیا تھا۔ اس لئے کمیں لکھوانا اونچی ذات والے کے لئے موت تھی۔ لہٰذا وہ اس عہدہ سے کھسکنے لگے اور رفتہ رفتہ اکثر و بیشتر جہلا مسلمانوں کے دینی پیشوا بن گئے اور اپنی ٹوہر بنانے کے لئے اس تعبیری اختلاف کو فرقے کا نام دے دیا۔ یہ صرف قلبی سرد مہری کا نتیجہ ہے۔ ورنہ یہ کوئی فرقے نہیں۔ انگریز کے فتنہ پرور دماغ اور پروپیگنڈہ سے سادہ مسلمان بھی راگ الاپنے لگے۔ صاف بات ہے کہ جہاں اسلام ہے وہاں فرقہ نہیں اور جہاں فرقہ ہے وہاں اسلام نہیں

دعائے مغفرت

سلسلہ عالیہ کے رفقاء

خورشید علی (شور کوٹ کینٹ) کے والد ماجد' محمد اکرم (شور کوٹ کینٹ) کی والدہ ماجدہ' عبدالحمید چھینہ ایڈووکیٹ (ڈسکہ) کی دادی جان' کاشف تبسم (اسلام آباد) کی والدہ ماجدہ' حاجی محمد صدیق صاحب (فیصل آباد)' امیر جماعت فیصل آباد سید نذیر احمد شاہ کی والدہ ماجدہ' حافظ سید محمد (پاک پتن شریف) کی والدہ ماجدہ اور محمد اقبال رشید کے بڑے بھائی محمد سرفراز رشید ۔ ملک غلام محی الدین (کھائی) کی والدہ ماجدہ۔ جہانگیر خاں (بھکر) کے بڑے بھائی قضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں ان سب کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سفر آخرت

مولوی محمد عبداللہ صاحب (اولئی) ضلع کوہاٹ کے جو صاحب مجاز ساتھی تھے۔ قضائے الٰہی سے 22- دسمبر 1995ء کو وصال فرما گئے۔ احباب سے دعا کی درخواست ہے۔

یہ کون سی مسلمانی ہے

ہر مسلمان نمائندہ ہے اسلام کا۔ اگر غریب ہے اس کا لباس کم قیمت کا ہے تو کیا ہوا۔ میلا ہو تو دھو سکتا ہے پھٹ جائے تو سی سکتا ہے۔ آج کون ایسا ہے جس کے پاس جوتا نہیں۔ پھر باتھ روم سلیپرز پہن کر پھرنا کہاں کی مسلمانی ہے۔ جوتا نہ پہننا' کپڑا نہ دھونا' وقت پر حجامت نہ کرنا' منہ نہ دھونا۔ دین میں کون سی نیکی ہے۔

اسلام تو نفیس دین ہے۔ نفاست کا دین ہے۔ پاکیزگی کا دین ہے۔ حسن و خوبی کا دین ہے۔ اسلام پرسنالٹی کو خوب سے خوب تر بنانا سکھاتا ہے اور آپ لوٹا بستر کمر پر لاد کر اور باتھ روم سلیپرز پہن کر دین کے لئے سفر کرتے ہیں۔ خدا کا خوف کریں آپ کا مقابلہ کس سے ہے۔ اپنے انداز زندگی میں خود اعتمادی' کردار کی بلندی اور خودی پیدا کریں۔ یہ غربت اور مسکینی کا انداز ختم کریں۔ آپ کے حلال وسائل کم ہیں تو ان کو احساس کمتری کی لعنت سے پاکیزہ تو رکھو۔

○ ہمیں اسلام کے دامن میں پناہ لینا ہے۔ اسلام ہماری پناہ کا محتاج نہیں۔

اسلامی انقلاب کا فلسفہ

مولانا محمد اکرم اعوان

دنیائے آب و گل میں انسان اللہ جل شانہ کی تخلیق کا وہ شاہکار ہے جو ایک طرح سے اپنے علاوہ دنیا کی ہر چیز پہ حکومت کرتا ہے تصرف رکھتا ہے اپنی مرضی سے چیزوں کو سنوارتا اور بگاڑتا ہے اپنی پسند سے چیزوں کو مختلف صورتیں عطا کرتا ہے اور ان سے مختلف کام لیتا ہے اور یہی ارشاد ہے۔

وَ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ کہ اے نسل انسانی روئے زمین پر جس قدر تخلیقات ہیں یہ سب تمہاری ہی خاطر پیدا کی گئی ہیں اور حدیث قدسی میں یہ ارشاد ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے اس سے مراد میری دانست میں شکل و صورت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ صورت ہے کہ جس طرح حاکمیت اعلیٰ اقتدار اعلیٰ اور تصرف اللہ کو حاصل ہے انسانی مزاج میں بھی اسی طرح کا رنگ ہے وہ بھی ہر چیز کو اسی طرح اپنے تابع کرنا چاہتا ہے ہر چیز سے اپنی مرضی کا کام لینا یہ اس کی فطری تخلیق اس بات کے لئے ہوئی ہے اور یہ تخلیق ہی اس کے امتحان کا سبب بن گئی آزمائش کا سبب بن گئی یہی اس کی آزمائش یہی اس کا امتحان ہے کہ جب اسے عظمت باری کا ادراک ہوتا ہے جب اس کے شعور کو آگہی ملتی ہے اللہ کی عظمت سے تو پھر یہ اپنی حکومت یا اپنی خواہشات کی تکمیل اپنا تصرف چاہتا ہے یا خود کو اللہ کا بندہ ثابت کر کے اپنے کردار سے اللہ کی حاکمیت اعلیٰ قائم کرنا چاہتا ہے بس اتنی سی بات ہے۔

اسلام کیا ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی وہ کوشش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام سابقہ کی وہی کوشش کہ بندوں میں وہ استعداد وہ مثبت تبدیلی فکر سوچ اور عمل میں وہ شعور آ جائے کہ بندے کا عمل اس کی اپنی انا کی تسکین یا ذاتی فائدے کے لئے نہ رہے بلکہ اللہ کی رضا کے لئے ہو جائے اتنی سی بات کا نام اسلام ہے اس عمل میں اسلام نے دو پہلو رکھے ہیں ایک پہلو ہے بندے کے اپنے وجود اپنی ذات اپنی فکر اپنے شعور اپنے قلب اپنے باطن اور ضمیر کے ساتھ محنت کرے کہ اپنے آپ کو عظمت الہٰی کا قائل کرے۔

میں کل ایک خط کا جواب دے رہا تھا کسی ساتھی کو اس میں انہوں نے یہ لکھا کہ میں الاخوان کے لئے یا میں سلسلے کے لئے جب کسی سے بات کرنا چاہوں تو مجھ سے وہ بات مزے دار طریقے سے نہیں ہو سکتی تو میں نے انہیں سادہ سی بات لکھی ہے کہ دوسروں سے بات کرنے کے لئے پہلے خود کو قائل کرنا پڑتا ہے اور س بات پہ خود بندے کو مضبوط یقین حاصل نہ ہو اس موضوع پہ دوسرے سے بات نہیں کر سکتا۔ یہ بڑی بنیادی بات ہے ایک بات پہ آپ کو

یقین ہو جائے گن پوائنٹ پہ بھی بندہ کہتا ہے گولی مارتے ہو مار دو تمہارا دماغ خراب ہے جو میں بات کہہ رہا ہوں یہ بات صحیح ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس پر پہلے خود یقین ہو کہ یہ بات صحیح ہے پھر وہ بات کرنے سے نہیں رکتا نہ اسے کوئی روک سکتا ہے ہم بات کیوں نہیں کر سکتے اس لئے کہ خود قائل نہیں ہوتے خود کو یقین نہیں ہوتا دوستوں میں آ کر رواں روی میں آ کر والدین کے پیچھے لگ کر ایک ماحول میں گھر گئے اور خود کو مسلمان کہہ دیا لیکن اسلام ہے کیا اس میں کتنی صداقت کتنی حقانیت ہے یہ اعتماد ہم میں نہیں ہوتا اس لئے دنیا میں دو سو کروڑ کے لگ بھگ مسلمان بستا ہے لیکن ہر مسلمان کا اسلام معذرت خواہانہ ہے شرمندہ شرمندہ یعنی آپ اس بات سے اندازہ کر لیں کہ اس موجودہ دنیا میں آج کی مہذب یا آج کی تعلیم یافتہ آج کی سائنٹیفک دنیا میں جدید دنیا میں کہہ لیجئے سب سے لچر اور فحش جو مذہب ہے وہ ہندو ازم ہے اس موجودہ سائنس کے زمانے میں پتھر کو پوجنا، خود گھڑنا، خود تراشنا، اسے خود پوجنے لگ جانا اس بات کی کوئی عقل مندانہ یا دانش مندانہ توجیہہ نہیں ہو سکتی لیکن ہندو اس پر اتنے جمے ہوئے ہیں کہ آپ ان کا کوئی ٹیلی ویژن پروگرام دیکھ لیں کسی نہ کسی صورت میں کوئی نہ کوئی بت کوئی نہ کوئی دیوی کوئی نہ کوئی دیوتا کوئی نہ کوئی مذہبی پہلو ان کی فلم میں بھی ہو گا ان کے ٹیلی ویژن کے ڈراموں میں بھی ہو گا۔ ان کے گانے بجانے میں بھی ہو گا کسی نہ کسی سمت سے ان کے اس مذہب کا دخل اس میں موجود ہو گا اس کے مقابلے میں اہم اپنا دیکھ لیں ہمارے ٹیلی ویژن پروگراموں میں ہندو مذہب کی جھلک نظر آئے گی عیسائیت کی جھلک نظر آئے گی مغربی دنیا کا کلچر نظر آئے گا لیکن اسلام کے خلاف بات ہو گی اسلام کے حق میں نہیں ہو گی مثلاً" ہمارے ٹیلی ویژن کا آج سب سے بڑا موضوع ہے دوسری شادی کوئی ڈرامہ دیکھ لیں کہیں سوتیلے بچوں کا جھگڑا، کہیں سوتیلی ماں کا جھگڑا، کہیں ساس بہو کا، کوئی دوسری شادی کا کہیں طلاق کا جیسے گویا موضوع ہی یہ رہ گیا ہے دوسرا موضوع ہی دانش وروں کے پاس کوئی نہیں یا پھر ہو گا تو مذہبی شخصیات کو دکھا کر ان کے ساتھ کوئی منفی کردار کوئی طنزیہ کہانی یا کوئی اس طرح کی احمقانہ بات تو ایک طرح سے مذہب سے بیزاری کا رجحان ملے گا آپ کو لیکن جہاں تک اچھل کود کا بے حیائی کا برہنگی کا تعلق ہے وہ دیار مغرب کی ساری ہمارے ٹیلی ویژن میں ملے گی اور جہاں تک رسومات کا تعلق ہے وہ ہندو کے سارے ہمارے ٹیلی ویژن میں ملیں گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم خود کو اسلام پر اتنا بھی قائل نہیں کر پائے کہ جتنا آج کا ہندو ہندو ازم پر ہے۔

تو دین حق کے یہ دو شعبے ہیں ایک شعبہ ہے جس میں بندہ اپنی ذات کے ساتھ محنت کرتا ہے وہ شعبہ ہے نماز و روزہ فرائض حج و زکوۃ۔ یہ عبادات جو ہیں یہ محض رسم نہیں ہے عبادات وہ محنت اور مجاہدہ ہے جو بندہ اپنے وجود اپنی ذات اپنے قلب اپنے ضمیر کے ساتھ کرتا ہے کہ اسے اللہ کی عظمت پر اعتماد اور یقین نصیب ہو وہ ایک حصہ ہے یہ آدھا دین ہے آدھا دین یہ ہے کہ پھر اس یقین کو اللہ کی مخلوق پر عام کرے وہ یقین جو اسے حاصل ہوا ہے اپنے عمل سے اپنے کاروبار سے اپنی دوستی و دشمنی سے لوگوں کے ساتھ تعلقات سے اس کا وہ پہلو سامنے آئے کہ ہر کوئی کہہ اٹھے کہ یہ مسلمان ہے سب سے زیادہ اسلام خلافت راشدہ کے عہد میں روئے زمین پر پھیلا نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد نور بار میں جزیرہ نمائے عرب پر اسلام کی ریاست قائم ہو چکی تھی اور وصال نبوی کے بعد تیئس برس کے عرصے میں ربع صدی میں دنیا کی بڑی بڑی ریاستیں فتح ہو چکی تھیں اور اسلام ہسپانیہ سے چائنہ تک اور سائبیریا سے افریقہ تک پھیل چکا تھا اور یہ جو میں عرض کر رہا ہوں یہ علاقے تو اسلام کے زیر نگیں آ چکے تھے اور ایک اسلام کی ریاست بن چکی تھی۔ تین چوتھائی زمین پر اسلامی ریاست تھی۔ اس کے علاوہ جو ایک چوتھائی زمین بچتی تھی وہ اسلام سے کیسے بے خبر رہ سکتی تھی۔ گدا کی جھونپڑی سے لے کر شاہ کے

محل تک اللہ کے دین کی بات پہنچ چکی تھی یعنی سب سے زیادہ جو اسلام پھیلا زمین پر یا اسلام کی بات پہنچی وہ خلافت راشدہ کا دور تھا۔

تو اس کا مطلب ہے اس میں بڑی تبلیغی جماعتیں نکلتی ہوں گی اس میں بڑے بڑے جلسے ہوتے ہوں گے اس میں بڑی کتابیں چھاپی جاتی ہوں گی اس میں مبلغین بڑے وعظ کرتے ہوں گے کہیں تاریخ سے ڈھونڈ کر تلاش کر کے بتائیں۔ کوئی تبلیغی جماعت نہیں تھی کوئی تبلیغی جلسہ نہیں ہوتا تھا۔ کوئی مناظرے نہیں ہوتے تھے کہ جی اس کو نیچا دکھانے کے لئے ہم یہ کریں کوئی مقابلے نہیں ہوتے تھے تو پھر یہ کیسے پھیلا؟ ہر مسلمان مجسم اسلام تھا اس کی بات کرنے کا انداز اس کی جنگ کا انداز اس کی صلح کا انداز اس کے معاملات اس کے لین دین وہ جہاں جاتے تھے وہ اسلام کے نمائندے ہوتے تھے سارا بدن ان کا مجسم مبلغ ہوتا تھا ہر حرکت ان کی اسلام کی تبلیغ کرتی تھی انہیں دیکھ دیکھ کر لوگ اسلام قبول کرتے تھے یعنی خلافت راشدہ میں کوئی تبلیغی جلسہ نہیں ملے گا کوئی تبلیغی لٹریچر چھپتا ہی نہیں تھا ہاتھ سے لکھا جاتا تھا کہاں کتابیں چھپتیں تھیں کہاں اخبار آتے تھے کہاں ٹیلی ویژن تھے کہاں پراپیگنڈہ؟ کچھ بھی نہیں تھا ایک ہی بات تھی کہ ہر مسلمان اس قدر مطمئن تھا اسلام پر اور اتنا ڈھل چکا تھا عملی طور پر اسلام کے ساتھ کہ اس کا وجود سراپا تبلیغ بن گیا تھا یہی بات ارشاد فرمائی گئی اس ایہ کریمہ میں۔

یعنی شکر کو عمل کے ساتھ منتھی کر دیا ہے قران حکیم نے۔ تمہارا عمل یہ ظاہر کرے کہ تم کس کے بندے ہو اور تم اس کا شکر ادا کرنا چاہتے ہو جب بات کرو اس سے پتہ چلے کہ یہ اپنے لئے نہیں کر رہا کسی کے لئے کر رہا ہے یہ کسی کا بندہ ہے جو کام تم کرو اس سے پتہ چلے کہ یہ کس کا بندہ ہے جہاں تمہاری طاقت استعمال ہو تو وہاں کوئی تمہارا لوہا ماننے کی بجائے اللہ کی عظمت کا قائل ہو رہا ہو اور جہاں تم صلح کرو وہاں کوئی تمہارا ممنون ہونے کی بجائے کسی اور کا شکر گزار ہو رہا ہو کہ یہ اللہ کا بندہ تھا اور اس نے اللہ کے لئے مجھے معاف کر دیا ہے جہاں تم کسی سے سختی کرو تو اسے سمجھ آئے کہ یہ بندہ سختی کرنے والا تو نہیں تھا لیکن اسے سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جہاں تم نرمی کرو پتہ چلے کہ یہ اس کا ذاتی فعل نہیں ہے کسی کے ہاتھ میں اس کی ڈور ہے اور فرمایا اس طرح کے شکر گزار بندے ہمیشہ کم ہوتے ہیں۔

ہم نے غلطی یہ کی کہ ہم نے اس پہلے آدھے جزو کو اسلام سمجھ لیا ہم اس پر بیٹھ گئے آج نمازی کم نہیں ہیں مسلمانوں میں اگر دو سو کروڑ مسلمان ہیں تو ڈیڑھ سو کروڑ سے زائد لوگ نماز پڑھنے والے ہوں گے اور تھوڑے ہوں گے جو نماز ادا نہیں کرتے روزہ رکھنے والے کم نہیں ہیں شہروں کے شہر آپ کو روزہ دار ملیں گے۔ تسبیحات پڑھنے والے تبلیغ کرنے والے تقریر کرنے والے مناظرے کرنے والے زکوۃ اور صدقات دینے والے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ایک کائنات بھری ہوئی ہے کہ ہر جگہ ہر بندہ حسب استطاعت کر رہا ہے لیکن اپنی عملی زندگی کو اس رنگ میں ڈھالنے والے کہ انہیں جدھر سے پلٹو مسلمان نظر آئے۔وہ کوئی نہیں ملتا۔ اسلامی ریاستیں ہیں لیکن وہ ریاستیں مسلمانوں کی ہیں اسلام کی نہیں ہیں ساٹھ کے قریب یا چھپن ستاون ریاستیں مسلمانوں کی ہیں۔ مگر اسلام کا تو ایک گاؤں بھی نہیں ہے اسلام کے قبضے میں تو ایک مکمل گھر بھی نہیں ہے کہ ایک گھر پر اسلام کا تسلط ہو یا اسلام کا قانون لاگو ہو یا اسلام کا حکم نافذ ہوتا ہو ایک ہی گھر میں انگریزی تہذیب بھی ملے گی ہندوؤں کے رواج ملیں گے آریاؤں کی شکل ملے گی نصرانیوں کی صورت ملے گی یہودی کا روپیہ پیسے کے معاملے میں اور سود کھانے والے ایک ہی گھر میں ہر طرح کی کافرانہ ادائیں مل جائیں گی باوجود کہ اس گھر کے سارے لوگ نمازی بھی ہوں روزے رکھنے والے بھی ہوں یا سود لیتے ہوں گے یا کوئی کافرانہ رسم کرتے ہوں گے یا ہندووانہ تہذیب کا شکار ہوں گے یا نصاری کی شکل بنائی

ہوئی ہو گی کہیں نہ کہیں آپ کو دنیا کا ہر باطل مذہب کسی نہ کسی رنگ میں ہر گھر میں مل جائے گا لیکن کوئی ایسا گھر کہ جس کی ہر ادا پہ قرآن کی چھاپ ہو یا نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی چھاپ ہو کہیں پر نہیں کتنی عجیب بات ہے عیسائیوں کو عیسائیت پہ فخر ہے یہودیوں کو یہودیت پہ ناز ہے آپ نے بھی دیکھا ہوگا میں بھی دیکھ رہا تھا حیران ہو رہا تھا کہ یہودیوں کا قبضہ ہے۔ رشیہ پر بھی رشیہ جب ٹوٹا نہیں تھا جو پورٹ بیورو تھا اس گورننگ باڈی میں بائیس آدمی ہوتے تھے۔ ان میں سترہ یہودی تھے امریکہ کا صدر عموماً یہودی ہوتا ہے لیکن وہ کورڈ ہوتا ہے بتاتا نہیں جس دن اسرائیل کا وزیراعظم قتل ہوا تو امریکہ کا صدر جب اس کے دفن کی رسم پہ آیا تو اس نے اپنی یہودیوں والی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ یعنی اسے اپنے یہودی ہونے پہ فخر ہے وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ میں پوری دنیا میں ایک بہت بڑے ملک کا سربراہ ہوں اور اس وقت ظاہری اعتبار سے دنیا میں پہلا آدمی کہ جس کی ٹکر کا کوئی بندہ نہیں ہے اسے فخر ہے اپنے یہودی ہونے پر لیکن کوئی مسلمان سربراہ ایسا دیکھنا نصیب نہیں ہوتا جسے اپنے مسلمان ہونے پہ فخر ہو۔ ہم عام مسلمان جہاں بھی جائیں گے اس کالم میں ڈھلتے جائیں گے نماز بھی پڑھتے رہیں گے روزے بھی رکھتے ہیں جو چھوڑ دیتے ہیں میں ان کی بات نہیں کر رہا میں ان کی بات کر رہا ہوں جو نمازیں چھوڑتے نہیں ہیں روزے چھوڑتے نہیں عبادات چھوڑتے نہیں ہیں لیکن ان عبادات کو بجائے اپنا حال بنانے کے ہم نے بارگین بنالی ہے ہم عبادت کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں جنت دے گا ہم عبادت کرتے ہیں اللہ ہمیں حور و قصور دے گا ہم عبادت کرتے ہیں اللہ ہمیں بڑی نعمتیں دے گا اور ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ نعمتیں دینے کے لئے وہ قیمت وصول نہیں کیا کرتا اس کی ہر نعمت اس کی عطا ہے اس کا انعام ہے اس کی بخشش ہے اس کی رحمت ہے اور بخشش و رحمت جو ہوتی ہے وہ کسی معاوضے کے طور پر یا کسی قیمت کے طور پر نہیں دی جاتی۔ بلکہ جہاں عبادت کا حکم دیا اس نے فرمایا تمہیں تو عبادت میں لگے ہی رہنا چاہئے کہ تم پہلے اتنا کچھ لے چکے ہو کہ تمہیں وجود سے لیکر ذات تک اور شعور سے لیکر فکر تک اور صحت سے لیکر دولت تک اولاد تک والدین تک ہر نعمت اس نے تمہیں اس وقت دی جب تم تھے ہی نہیں۔ تمہیں پیدا فرمایا کہاں تھا تمہاری عبادتیں کہاں تھی نیکی تم خود ہی نہیں تھے تو نیکی کہاں ہوتی نہ ہونے سے اس نے تمہیں پیدا فرمایا اور پیدا فرما کر بے شمار انعامات سے نوازا تو اس کی عطا تمہاری عبادات کی محتاج نہیں ہے بلکہ عبادات اس عمل کے لئے چاہیے جو عمل اس کی رضا کا سبب بن جائے عبادات سے ہمارے فکر میں ہمارے شعور میں وہ تبدیلی آئے جو ہمارے اعضاء و جوارح سے ہمارے کردار سے ہماری زبان سے ہماری خرید و فروخت سے ہمارے معاملات سے ظاہر ہو آج کل بڑا چرچا ہے کہ مسلمان بنیاد پرست ہیں فنڈا منڈالسٹ ہیں اور بزور شمشیر دنیا میں اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں قتل و غارت گری کرکے دہشت گردی کرکے اور جہاں کہیں کوئی دہشت گردی کا واقعہ ہوتا ہے تو وہ مسلمان بنیاد پرستوں پہ لگا دیا جاتا ہے لیکن کیا کوئی یہ نہیں سوچتا کہ اسلام بندوں کو مارنے کا سرے سے حکم ہی نہیں دیتا کیا اس بات کو بھول جاتا ہے مغرب کا مورخ کہ تب سے اب تک اقوام مغرب نے جہاں جہاں لشکر کشی کی جہاں جہاں اہل مغرب کی افواج کا تسلط ہوا وہاں کے لوگوں کا کیا حشر ہوا اور جہاں مسلمان پہنچے وہاں ہر ایک کی جان مال و آبرو کی حفاظت کا حق ادا کس طرح سے انہوں نے کیا وہی شہر جو عیسائیوں نے لوٹے ندیاں خون کی بہا دیں جب ان پر مسلمان قابض ہوئے تو عیسائیوں کا خون نہیں بہایا گیا' مال نہیں لوٹے گئے' عزت نہیں لوٹی گئی۔ تاریخ کا حصہ ہے قتل سے دہشت گردی سے یا بنوک شمشیر کسی کو کلمہ پڑھا دیا جائے تو اسلام اسے مسلمان مانتا ہی نہیں۔ اسلام ہر متنفس کو آزادی دیتا ہے کہ وہ کافر رہنا چاہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے وہ رہے لیکن اسلام کی اس تک خوشخبری پہنچاتا ہے کہ تمہاری بہتری

اس میں ہے اور اگر کوئی نہ آنا چاہے تو اسلام زبردستی اسے قبول ہی نہیں کرتا تو جو منصب کسی کو زبردستی اپنانے کا حکم نہیں دیتا وہ قتل اور دہشت گردی سے کس طرح سے اس کو نافذ کیا جاسکتا ہے یا قاتل اور دہشت گرد کس طرح سے اسلام نافذ کرسکتے ہیں جو ہے ہی سلامتی کا پیغام۔ اسلام نے تو کافر کی جان مال و آبرو کو بھی حرمت دے دی ہے بغیر عذر شرعی کے حرام قرار دیا ہے کوئی نہیں چھین سکتا تو دہشت گرد مسلمان نہیں ہوتا یا اسلام دہشت گردی کا نام نہیں یہ الگ بات ہے کہ اہل مغرب کو جاننے کے باوجود ان کے پاس چونکہ اسلام کا جواب نہیں ہے تو یہ الزام تراشی ہے اسلام پر ورنہ تاریخ ان کے مظالم سے بھری پڑی ہے اور مسلمان کے عفو و درگزر سے تاریخ کے صفحات روشن ہیں۔

آج بھی یاد رکھئے دہشت گردی یا قتل و غارت یہ اسلامی انقلاب کی بنیاد نہیں ہے۔ ایسا کرنے والے اسلام نافذ نہیں کرسکتے ہاں ان لوگوں سے ڈرنا چاہیے جو اپنے آپ کو اسلام کے قالب میں ڈھال لیتے ہیں ایسے لوگ ہمیشہ اسلامی انقلاب کی بنیادبن جاتے ہیں جو اپنے آپ کو فتح کرلیتے ہیں وہ خدائی کو فتح کرنے کی اہلیت و استعداد رکھتے ہیں جو اپنے آپ کو مسخر کرلیتے ہیں وہ زمانے کی طنابیں کھینچنے کی استعداد رکھتے ہیں اور جن سے اپنا آپ مسخر نہیں ہوتا وہ کسی دوسرے کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتے اسلام کی بنیاد اسی فلسفے پر ہے کہ اہل مکہ سے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ریاست نہیں چھینی نہ کوئی ریاست چھیننے کی کوشش کی نہ ریاست چھیننے کے لئے کسی کو حکم دیا نہ کوئی درپردہ سازش یا کوشش کی گئی کہ مکے کے کافروں کو معزول کرکے ان سے حکومت چھین لی جائے نہیں جس کسی کو سلام نصیب ہوا وہ اس پر اللہ کی حکومت اس کے وجود پر قائم ہوگئی از خود اہل مکہ کی خدائی اس کے وجود سے الگ ہوگئی ساری کوششیں کرنے کے باوجود اہل مکہ اسے اپنے رنگ میں رنگ نہ سکے بلکہ وہ ایک بندہ اس پورے عاشرے میں الگ تھلگ نظر آنے لگا اور وہ جب ان کے لئے ناقابل برداشت ہوگیا تو انہوں نے شہر سے نکال دیا لیکن اللہ کی شان کہ گھر چھوڑ کر آنے والوں کو ایسا گھر ملا کہ جہاں سارے لوگ اسی رنگ میں رنگے گئے اور از خود اسلامی ریاست بن گئی۔ مدینہ منورہ میں بھی مسلمانوں نے کسی سے ریاست چھینی نہیں ہے کسی کا تخت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں چھینا کسی کی امارت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں چھینی کسی کی حکومت کوئی انقلاب اس طرح کا نہیں آیا کہ حکمرانوں کو قتل کرکے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں بیٹھ گئے۔ ایسا نہیں ہوا بلکہ شہر سارے کا سارا جب حلقہ بگوش اسلام ہوگیا تو ریاست از خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں چلی گئی۔

آج بھی اسلامی انقلاب کی بنیاد یہی ہے کہ جب مسلمانوں کو یہ فلسفہ سمجھ آجائے گا کہ یہ نری عبادت کوئی معنی نہیں رکھتی عبادت کا معنی یہ ہے کہ اس وجود میں وہ مثبت تبدیلی آئے کہ اس کا عمل اسلام کے احکام کے آئینے میں ڈھلتا چلا جائے۔ اس کا عمل اللہ کا شکر ادا کرتا ہوا نظر آئے عملاً وہ اللہ کا بندہ نظر آئے عملی زندگی میں اور ایک ایک بندے پر نافذ ہونے والا اسلام ایک زمانے پر نافذ ہو کر رہے گا لیکن اس صورت میں کہ جب میں اور آپ جب ہم مسلمان کہلانے والے جب ہمارا کردار ہمارے عملی زندگی اسلام کے قالب میں ڈھلتی چلی جائے گی تو یہی وہ طاقت ہے جس کے سامنے باطل کی کوئی قوت کھڑی نہیں رہ سکے گی لیکن اگر ساری عبادتیں کرنے کے باوجود تبلیغی سفر کرنے کے باوجود ذکر اذکار کرنے کے باوجود مراقبات کرنے کے باوجود حج اور عمرے کرنے کے باوجود عملی زندگی میں ہم غیر اسلامی طرز حیات کی مدد کرتے رہے تو اسلام نافذ نہیں ہوسکتا۔ اسلام کوئی سزا نہیں ہے کہ اوپر سے مسلط کر دی جائے یہ اللہ کریم کا انعام ہے جو رضائے باری سے نصیب ہوتا ہے مسلط جو کی جاتی ہیں یا جکڑ کر جو دی جاتی ہیں یا جو ٹھونسی جاتی ہیں وہ سزائیں ہوتی ہیں انعامات ٹھونسے نہیں

جاتے انعامات حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ جان لڑانا پڑتی ہے انعامات حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ کارکردگی دکھانا پڑتی ہے انعامات حاصل کرنے کے لئے منعم کو راضی کرنا پڑتا ہے خوش کرنا پڑتا ہے ایک معیار ہے جسے پورا کرنا پڑتا ہے تب جا کر انعام کا مستحق قرار پاتا ہے بندہ اور جو ٹھونس دی جاتی ہے جیسا کہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ غیب سے کوئی بندہ ٹپکے گا اور اسلامی ریاست بن جائے گی یہ جو ٹھونسی جاتی ہے یہ انعام نہیں ہوتا یہ سزا ہوتی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں آج کا ہر حکمران غیب سے ہی ٹپکنے والا ہے اور ہمارے اعمال کی سزا ہے جو کچھ ہم کرتے ہیں اس میں جو کچھ غیب سے ٹپکنا ہے وہ ٹپک رہا ہے وہ پیپلز پارٹی ہو یا مسلم لیگ ہو افراد بدل جاتے ہیں پارٹیوں کے نام بدل جاتے ہیں لیکن ظلم و جور میں کوئی فرق نہیں آتا۔ غریب کا حال نہیں بدلتا' مسکین کی دستگیری کوئی نہیں کرتا نظام تعلیم نہیں بدلتا عدالتوں میں کافروں کے قانون جاری رہتے ہیں اور سیاسیات اسی بدمعاشی کو کہا جاتا ہے جو اہل مغرب نے رائج کر دی ہے ہر بے ایمانی کو سیاست کہا جاتا ہے یہ سارا کچھ وہی کا وہی رہتا ہے لوگ باری باری آتے ہیں اپنا اپنا مقصد حل کرتے ہیں اپنی جیبیں بھرتے ہیں اپنا پیٹ بھرتے ہیں چلے جاتے ہیں دوسروں کی باری آجاتی ہے اور ہم سادگی سے اس انتظار میں رہتے ہیں کہ ہم نے آٹھ لاکھ کا مجمع جمع کر کے دعا مانگی ہے اب آسمان سے کوئی ٹپکے گا اور وہ اسلامی ریاست بنا دے گا ایسا کبھی نہیں ہوگا اگر آٹھ لاکھ کی بجائے آٹھ ہزار بھی عملی زندگی میں اسلام اپنالیں تو وہ بہت بڑی طاقت ہے اور آٹھ لاکھ کیا آٹھ کروڑ بھی اسلام کو صرف نماز اور روزے دے کر فارغ کر دیں اور عملی زندگی غیر اسلامی رسومات کے فروغ میں گزاریں تو اسلام کبھی نہیں آئے گا بڑی سادی سی بات ہے کوئی اس میں لمبا فلسفہ نہیں ہے۔

اور ایک بات میں اور کہوں آپ سے ہر مسلمان کو یہ فکر ہے کہ روئے زمین پہ اسلام نافذ ہو جائے لیکن اپنی ذات کو چھوڑ کر اس طرح نہیں ہوگا روئے زمین کی فکر چھوڑ دیجئے اس بدن پر نافذ کر دیجئے تو آپ سرخرو ہوگئے۔ تم میں سے ہر ایک مسلمان ہے یہ بدن اس کی مملکت ہے۔ اپنی بادشاہت کے بارے ہر بادشاہ کی جواب طلبی ہوگی یہ آپ سے پوچھا جائے گا کہ اس ملک پر اسلام نافذ کیا ہے یا نہیں آپ اس ملک پہ کر دیں اللہ بڑے ملک پہ کر دے گا اس کا انتظام ہو جائے گا اور اگر نہ ہوسکا تو اس کی تکلیف مجھے اور آپ کو نہیں ہوگی بلکہ ہم یہ کہنے' عرض کرنے کے قابل ہوں گے کہ بارالٰہی جہاں تک میری حکومت تھی وہاں تک تیرا حکم چلتا تھا میرا نہیں جہاں میرے اختیارات ختم ہو جاتے تھے وہاں جس کے اختیارات تھے یہ اس سے پوچھا جائے اور اگر اس میں ہم ناکام رہے تو شاید یہ ذمہ داری ہم پر آجائے کہ تمہارے نہ سنورنے سے پوری دنیا کا نصیبہ نہ سنور سکا اس سوال کا جواب بڑا مشکل ہوگا یہ کوئی بڑا سوال نہیں ہے کہ تونے چار نمازیں نہیں پڑھیں یہ کوئی بڑا سوال نہیں ہے کہ تونے روزہ توڑ دیا تھا یہ کوئی بڑا سوال نہیں ہے کہ تونے گناہ کیا تھا ایک ذات کا ہے نا اور اس کی رحمت بہت وسیع ہے لیکن جب ہماری طرف سے کسی دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے تو اللہ نے ایک قانون بتا دیا ہے کہ میرے حقوق ضائع کرتے ہو میں معاف کر دوں گا کوئی بڑی بات نہیں۔ میرے بندوں کے حقوق پہ ڈاکہ ڈالو گے تو ان سے معاف کروانا پڑے گا تب میں معاف کروں گا اگر ہم اس جرم میں دھر لئے گئے کہ تم اس ملک پر اسلام نافذ کرتے میری مخلوق اس اسلام سے بہرہ ور ہوتی یہ مخلوق پر جو اسلامی عدل قائم نہیں ہوسکا اس کی رکاوٹ تم ہو تمہارا خود پر اسلام نافذ نہ کرنا دوسری مخلوق کو اسلام کی برکات سے محروم رکھنے کا سبب بن گیا اس کا کوئی جواب ہمارے پاس نہیں ہوگا نہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے اس کا ایک ہی جواب ہے کہ جتنی کوشش ہو اپنی پوری کوشش اس بات پر صرف کر دی جائے کہ میرے وجود پر اللہ کی حکومت ہو اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے دین اور

باقی صفحہ نمبر ۲۰۰ پر

آپ نے پوچھا

سوال: اللہ غفور الرحیم ہے تو جب وہ غفور الرحیم ہے تو بھلا ہمیں عذاب کیوں دے گا اور اس کے بعد بھی کہ جب ہم نے اسے غفور الرحیم مان لیا تو لہٰذا یہ عذاب کا تصور جو ہے یہ صحیح نہیں ہے ہاں جنہوں نے نہیں مانا جو ایمان نہیں لائے وہ الگ بات ہے؟

جواب: بظاہر تو بڑی مزے دار سی بات لگتی ہے لیکن دراصل یہ اپنے آپ کے ساتھ دھوکا ہے اللہ کی رحمت ناپیدا کنار ہے اللہ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا اس لئے کہ مخلوق مخلوق ہے اور مخلوق کے سارے علوم بھی محدود ہوتے ہیں جب اللہ کی ساری صفات غیر محدود ہیں اور صفت رحمت ایسی صفت ہے جو بے شمار صفات کا منبع ہے اس کی حدود کا تعین مخلوق کے بس کی بات نہیں ہے۔اور سب سے پہلی آیہ کریمہ قرآن حکیم میں جو ارشاد فرمائی گئی قرآن کی ترتیب کے لحاظ سے جسے سب سے پہلے رکھا گیا جو سورۃ سب سے پہلے ہے وہ سورۃ فاتحہ ہے اور جو آیہ مبارکہ سب سے پہلے اور بنیادی ہے وہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ رحمان بھی رحمت ہی سے مشتق ہے اور رحیم کا مادہ بھی رحمت ہی ہے تو جب مادہ ایک ہے تو ایک آیہ کریمہ میں رحمان اور رحیم دو صفاتی نام کیوں استعمال فرمائے گئے۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ قرآن کی جو پہلی آیہ مبارکہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ سارے قرآن کی حاصل اور وہ بات ہے جو اللہ کریم پورے قرآن میں تفصیل سے بیان کرتے ہیں گویا سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ باقی سارا قرآن اس کی وضاحت ہے اور بسم اللہ شریف کا خلاصہ اس کی پہلی با میں ہے اور ب کا خلاصہ اس کے ایک نقطے میں۔ وہ نقطہ با کو با بناتا ہے اور یہ بسم اللہ کا با تلبس کا ہے۔ تلبس کے معنی ہوتا ہے لپٹ جانا' چمٹ جانا لباس کی طرح اس کے ساتھ لگ جانا یہ تلبس سے لباس نکلا ہے تو گویا حاصل کتاب اللہ یہ ہے کہ بندہ اللہ کی ذات میں فنا ہو جائے بندہ اللہ کا بندہ بن جائے باقی ساری اس ایک مقصد کو حاصل کرنے کی تفصیلات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قرآن حکیم کا خلاصہ کیسے ہے اس طرح سے کہ چیز کی ابتداء ہر چیز کی بقاء ہر چیز کا وجود ہر چیز کا کمال ہر چیز کا سارا حسن محتاج ہے اللہ جل شانہ کا اس کی خالقیت کا۔ اس کی عطا کا اس کے بنانے اور سنوارنے اور قائم رکھنے کا اللہ کیسا ہے۔ الرحمٰن الرحیم اللہ رحمٰن بھی ہے اللہ رحیم بھی ہے۔

علمائے تفسیر نے یہ شرح بیان فرمائی کہ رحمان کا وزن جو ہے یہ ان صفات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو وقتی اور لمحاتی ہوتی ہیں مثلاً" عربی میں جتنی صفات اس وزن پر آئیں گی جیسے عطشان بڑا پیاسا بہت زیادہ پیاسا۔اب پیاس کوئی

ایسی صفت نہیں ہے کہ یہ ساری عمر بندے کے ساتھ رہے بہت زیادہ پیاسا ہے پھر وہ پانی پی لے گا پیاس ختم ہو جائے گی یعنی وہ اوصاف جو ایک خاص وقت تک کے لئے ہوں جو ختم ہو سکتے ہوں ان کی صورت حال بدل سکتی ہو وہ اس وزن پہ آتے ہیں اور اللہ کریم جس کی ذات قدیم ہے ازلی ہے اس کے اسم گرامی اور اس کے ساتھ صفاتی نام رحمان کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اتنا بڑا رحم کرنے والا ہے کہ جب تک یہ دار دنیا قائم ہے یعنی ایک خاص وقت تک ایک خاص حد تک ماننے نہ ماننے والے سب پر رحم کئے چلا جا رہا ہے۔ مومن و کافر پر نیک اور بد پر چھوٹے اور بڑے پر موافق اور مخالف پر سارے اس کی رحمت سے مستفید ہو رہے ہیں اب کافر کو بھی زندگی عطا ہوتی ہے کتنی بڑی نعمت ہے اعضاء و جوارح عطا ہوتے ہیں کتنی بڑی نعمت ہے دولت دنیا عطا ہوتی ہے اولاد عطا ہوتی ہے حکومتیں عطا ہوتی ہیں اقتدار و وقار عطا ہوتا ہے یہ کیا ہے رحمانیت باری تعالیٰ ہے وہ رحمان ہے مومن کو بھی دنیوی نعمتیں دے رہا ہے کافر کو بھی بے شمار دنیوی نعمتیں اس نے عطا کر رکھی ہیں یہ اس کی رحمانیت کا اظہار ہے لیکن یہ اوصاف ایک وقت تک کے لئے ہوتے ہیں۔ جو اس وزن پہ آتے ہیں تو گویا جب تک یہ دنیا قائم ہے اس کی رحمانیت کا اظہار ہوتا رہے گا لیکن جب دنیا ختم ہو جائے گی تو رحمانیت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ اللہ سے صفت رحمت جدا نہیں ہو گی وہ تو ازلی ہے قدیم ہے جیسے اس کی ذات قدیم ہے ویسے اس کی صفات قدیم ہیں لیکن اس صفت کا اظہار بطور رحمانیت جو تھا ایک خاص وقت کے لے جب وہ وقت گزر گیا یا ایک بندے کی دنیوی زندگی ختم ہو گئی اس عالم سے اگلے عالم میں چلا گیا تو رحمانیت کا اظہار اس عالم میں رہ گیا اب وہاں کیا ہے رحیم۔ رحیم کے وزن پر جتنے صفاتی نام عربی میں آتے ہیں وہ دائمی ہیں مثلاً" علیم علم رکھنے والا حکمت رکھنے والا تو یہ کوئی وقتی یا عارضی صفتیں نہیں ہوتیں ایک بندے کی اس کی ذات کے ساتھ صفت موجود رہتی ہے۔ یہی حال ہے جب رحمت الٰہی اس وزن پر ارشاد فرمائی گئی تو رحیم ابدالاباد کے لئے۔ سو فرمایا۔ الرحمٰن الدنیا والرحیم الاخرہ۔ رحمان دار دنیا کے لئے ہے اور رحیم ہمیشہ ہمیشہ ابدالاباد کے لئے۔ یہ تو حال ہے یا پہلو ہے اللہ جل شانہ کی رحمت کا اس کی رحمت اتنی وسیع کہ جس کی کوئی حد نہیں جس کا کوئی شمار نہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد عالی موجود ہے۔

کہ زندگی بھر میں کسی کی ایک تسبیح قبول ہو گئی اس نے کہا سبحان اللہ اس نے کہا الحمد للہ اس نے کہا ماشاء اللہ کوئی اللہ کی ایک تسبیح کر دی اور وہ منظور ہو گئی قبول ہو گئی اللہ نے وہ پسند کر لی تو زندگی بھر کے گناہ اس نے خواہ زمین و آسمان کو گناہ سے بھر دیا ہو اس ایک تسبیح کی قبولیت کے صدقے معاف کر دے گا اس کی نجات کے لئے وہ ایک تسبیح اگر منظور ہو گئی تو کافی ہے یہ تو اس کی رحمت ہے جس کی کوئی حد اور کوئی شمار نہیں لیکن بات ایک اور ہے جو تسبیحات کی قبولیت کو عبادات کی توفیق کو عمل کی روح کو زائل کر دیتی ہے جس طرح ہر چیز کو زنگ لگ جاتا ہے جس طرح ہر شے پہ گردوغبار اٹ کر اسے بے کار کر دیتا ہے جس طرح ایک قیمتی سے قیمتی چیز کو کوڑے کرکٹ میں ڈال دیں تو وہ اس کا سارا زیب و زینت ضائع کر بیٹھتا ہے اس طرح سے یہ جو تسبیحات ہوتی ہیں یہ جو عبادات ہوتی ہیں نافرمانی کا زنگ انہیں قبولیت کی استعداد سے محروم کر دیا ہے اگر قبول تو ہو جائے تو ایک جملہ نجات کے لئے کافی ہے۔

ہمارے ہاں گناہ کا تصور یہ ہے کہ کوئی غلط کام کیا جائے تو وہ گناہ ہے یہ درست ہے غلط کام کرنا بھی گناہ ہے لیکن سب سے بڑا گناہ ایک اور ہے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اللہ کام کرنے کا حکم دے اور بندہ وہ کام نہ کرے صرف برا کام کرنا یا جو کوئی شرعی ممنوعات ہیں ان کو اختیار کرنا یا جہاں سے شریعت نے روکا ہے وہاں جانا ہی گناہ نہیں بلکہ سب سے بڑا گناہ یہ بھی ہے کہ جب حکم دیں اللہ

ایک بندے کو اور وہ حکم پہنچانے کے لئے اپنی کتاب نازل فرمائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی عظیم الشان ہستی کو مبعوث فرمائے اور اس کی زبان سے اپنی کتاب سے وہ ایک حکم ہم تک پہنچائے میں اور آپ مجھ جیسا ہم جیسا کوئی ایک ناکارہ آدمی اس حکم پر عمل نہ کرے ماننے سے انکار کر دے یہ زبانی انکار نہ سہی زبانی انکار تو کافر کردیتا ہے عملاً" انکار کر دے وہ کام نہ کرے تو یہ نافرمانی کیا آپ سمجھتے ہیں یہ تھوڑا سا جرم ہے۔

علمائے فقہ نے گناہ کبیرہ کبائر کی فہرست فرمائی ہے۔ قتل کبیرہ گناہ ہے۔ سود کھانا کبیرہ گناہ ہے۔ زنا کبیرہ گناہ ہے۔ جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہے کبائر کی ایک فہرست مرتب فرمائی ہے اس کے آخر میں لکھتے ہیں کہ گناہ بالاخر گناہ ہی ہوتا ہے اور ہر چھوٹا گناہ بھی بہت بڑا گناہ ہے اس لئے کہ گناہ کی جو کمیت یا اس کا جو وزن ہے وہ نہ دیکھا جائے دیکھا یہ جائے کہ نافرمانی کس کی ہے تو ہر گناہ کبیرہ ہے یعنی یہ نہ دیکھا جائے کہ کتنی نافرمانی کی اتنی کی یا اتنی بڑی کی بلکہ یہ دیکھا جائے کہ نافرمانی کس مالک الملک کی کی ہر گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اب اس ذات کریم نے ایک نظام مرتب فرما دیا وہ نظام یہ ہے جیسے ہمارے سامنے دنیا ہے کہ آپ گندم اگانا چاہتے ہیں تو آپ کو کھیتی تیار کرنے پڑے گی آپ کو موسم کا انتظار کرنا پڑے گا آپ کو اچھا بیج تلاش کر کے بیجنا پڑے گا آپ کو اس کی حفاظت کرنا پڑے گی آپ کو اسے پانی دینا پڑے گا ساری اس محنت کے بعد اس کی مرضی اس پہ کتنا پھل لگاتا ہے دس گنا لگاتا ہے بیس گنا لگاتا ہے اس کی مرضی کہ طوفان آئے کھیت کو تباہ کر کے چلا جائے اس کی مرضی کہ اولے پڑیں اور پکا ہوا کھیت تباہ ہو جائے یہ اس کا اپنا نظام ہے لیکن ایک محنت ایک مجاہدہ ایک مشقت ایک طریقہ ہے کہ یہ طریقہ کرنے سے اتنا غلہ حاصل ہوگا ہم آم کھانا چاہتے ہیں تو ہم آم کی گٹھلی آم کا پیڑ لگائیں گے آم کا درخت لگائیں گے اس کی رکھوالی کریں گے اس پر آم آئیں گے تو پھر دیکھی جائے گی۔

اسی طرح شریعت کا ہر حکم ایک بیج ہے ایک تخم ہے اب اس بیج کو لگانا اس کی ضروریات اور اس کی لوازمات کا دھیان رکھنا اس کی رکھوالی کرنا اور اس کو اس کے پھل تک پہنچانا یہ محنت ہمارے ذمے ہے اس پر پھل لگانا یہ اس کا کام ہے اور وہ بڑا رحیم ہے اگر ہم نے ایک حصے کا بیج لگایا تو شاید اس پر ہزار حصے کا پھل وہ عطا کر دے یہ اس کی رحمت سے کوئی بعید نہیں کہ ایک کو ایک کروڑ بنا دے اس سے کوئی بعید نہیں کہ ایک کو بے شمار بنا دے اس سے کوئی بعید نہیں لیکن یہ اس کا قانون ہے کہ اگر تم خود بوؤ گے نہیں حفاظت نہیں کرو گے رکھوالی نہیں کرو گے تو کھیتی نہیں اگے گی اس پر پھل نہیں آئے گا یا جو بیج دو گے تو گندم نہیں اگے گی چنے بیجو گے تو چنے اگیں گے اور یہ ہم اس قانون کو جانتے ہیں ہم کبھی گندم اگانے کے لئے چنا نہیں بیجتے چنے اگانے کے لئے کبھی ماش نہیں بیجتے جو کچھ اگانا ہوتا ہے اسی کا تخم بیجتے ہیں۔ ہر عمل ایک تخم ہے۔

اب ہم نافرمانی کا تخم بیج رہے ہیں یعنی فطرت کا قدرت کا ایک عمل ہے= نیچر کا اپنا ایک پراسس ہے قدرت کے اس عمل کو کسی ایک بندے کی خاطر قادر مطلق نہیں روکتا اس عمل میں انبیاء علیھم الصلوۃ والسلام بھی گزرے اس عمل میں ملائکہ اور اللہ کی ساری کائنات موجود ہے لیکن اس کا اپنا جو نظام ہے وہ اتنا ٹھوس ہے کہ کسی ایک ایک فرد کے لئے اس میں تبدیلیاں نہیں فرماتا۔ سنت اللہ ولا تبدیل لسنۃ اللہ۔ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین اور اس کے نظام ایسے ہیں کہ وہ کسی کے لئے بدلتے نہیں اب ہم بیج بوتے ہیں ببول کا کیکر کا اور دعوی کرتے ہیں کہ اللہ بڑا رحیم ہے اس پر آم اگا دے گا تو یہ تو اس کی رحمت سے مذاق ٹھہرانا۔ یہ ایک اور الگ جرم ہو گا یہ دوسرا گناہ ہے کہ اس کی رحمت اور اس کے کرم کا مذاق اڑایا جا رہا ہے یعنی جب قانون آپ کے علم میں ہے کہ آپ کیکر بیج رہے ہیں اس پر کیکر اگیں گے ببول بیج رہے ہیں اس پر ببول اگے گی آم کھانے کے لئے آپ کو آم بیجنا

ہو گا اس کے ساتھ محنت کرنی ہو گی پھر اس سے دعا کریں کہ تو بڑا کریم ہے ممکن ہے میرا بیج ناقص ہو تو بڑا رحیم ہے ممکن ہے میری محنت میں نقص ہو میں نے وقت پر پانی نہ دیا ہو میں نے اس کی گوڈی نہ کی ہو تو تو اپنے کرم سے میری یہ ادھوری کوششیں میری یہ ناقص محنت میرا یہ کمزور عمل قبول فرما اور اس کو بار آور کر یہ تو ہے رحمت باری سے امید اور تعلق اور بیج بونا نافرمانی کے بیج بونا اللہ کی حکم عدولی کے اور اس پہ دعوی یہ کرنا کہ وہ بڑا رحیم ہے یہ اس بات کی دلیل بن جاتا ہے کہ بندہ مذاق اڑانا چاہتا ہے عظمت باری کا اس نے اللہ کی عظمت کو مانا نہیں ہے بلکہ اتفاق ہے مسلمان گھر میں پیدا ہو گیا اور یہ بھی بڑا اللہ کا انعام ہے یہ بڑی عجیب بات ہے بعض چیزیں بظاہر بڑی احمقانہ سی لگتی ہیں مثلاً" بچہ پیدا ہو تو ہم اس کے کان کے ساتھ منہ لگا کر اس میں اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ اشھد ان محمد رسول اللہ اذان دے رہے ہیں اقامت کہہ رہے ہیں اسے ہوش نہیں ہے اس نے دنیا میں کچھ دیکھا نہیں سنا نہیں جونہی دنیا میں اس نے قدم رکھا اس کے کان میں ہم نے پھونک دیا تو بظاہر ایسی عجیب سی بات لگتی ہے کہ اس کا کوئی لاجک نہیں بنتا کوئی عقلی دلیل نہیں بنتی لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ وہ پہلی آواز اس کے دل میں اتنی گڑ جاتی ہے کہ زندگی بھر اس کے لئے اسلام کو چھوڑنا محال ہو جاتا ہے یعنی وہ کروڑوں گناہ کر جاتا ہے ہزاروں خطائیں کر جاتا ہے لیکن عظمت الہی رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار اس سے ممکن نہیں رہتا آپ مسلمان کو دیکھیں کتنے گناہ کرتے ہیں ہم کتنی خطائیں کرتے ہیں لیکن ہمیں کوئی کہہ دے کہ اللہ کو ماننا چھوڑ دو نبی علیہ السلام کو نبی ماننا چھوڑ دو تو یہ بس کی بات نہیں ہوتی کوئی بڑا ہی بدبخت ہو کوئی ازلی بدبخت ہو یہ وہ اثر ہے اس بات کا جو ایک بات ہم نے بچے کے کان میں کہی۔ یہ ہم کیوں کرتے ہیں اللہ نے حکم دیا ہے اس کا اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے طریقہ سکھایا ہے۔ تو ایک چھوٹا سا عمل جس پر کوئی عقلی دلیل نہیں ہے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے کیا جاتا ہے تو اس کا اثر اتنا پختہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ زندگی بھر کے اعمال جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائے ہیں ان کے اثرات کوئی نہیں ہوں گے جن پر عقلی دلائل بھی موجود ہیں لاجک بھی موجود ہیں دیانت داری پر سچ بولنے پر اللہ اللہ پر ذکر الہی پر اللہ کی عبادت پر حرام سے بچنے پر لاجک اور عقلی دلائل بھی موجود ہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بھی ہے ان کے اثرات کتنے گہرے ہوں گے اسی طرح ان کے مقابلے میں جب ہم عمل چھوڑ دیں گے جب ہم برائی کریں گے جب ہم نافرمانی کریں گے تو اس کا اثر بھی اتنا ہی گہرا ہو گا۔

اور نافرمانی کا ایک عجیب اثر ہوتا ہے نافرمانی کا جو اثر انسانی زندگی پہ مرتب ہوتا ہے وہ بڑا بھیانک ہے علمائے حق فرماتے ہیں کہ گناہ کی مثال زہر کی ہے جب آدمی جرم کرتا ہے تو اس نے جیسے زہر کھا لیا ہو اگر اس سے بیمار ہو گیا قے ہو گئی پیچش لگ گئے تکلیف ہوئی وہ زہر خارج ہو گیا تو شاید بچ جائے گا جب گناہ کرتا ہے اس پر کوئی دنیوی تکلیف آ جائے کوئی دنیوی مصیبت آ جائے کوئی نقصان ہو جائے تو یہ ہوتا ہے ایسے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے اسے احساس ہو جاتا ہے مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور اس کا کچھ بچاؤ کا سبب بن جاتا ہے لیکن اگر گناہ بھی کئے جائیں اور وہ ہضم بھی ہوتے رہیں تو وہ بالکل ایسے ہے جیسے کسی نے زہر کھایا اور وہ ہضم ہو گیا زہر جب ہضم ہو جائے تو اس کا نتیجہ موت ہوتا ہے لیکن موت جسے قرآن کہتا ہے وہ ہے اللہ سے دوری کا نام یہ دنیا سے برزخ میں جانا جسے ہم موت کہتے ہیں یہ ایک عارضی عمل ہے اس کی نسبت بہت کمزور ہے یہ تو زندگی کا ایک رخ ہے جو یہاں تھا یہاں سے بدل کر اگلی دنیا میں چلا گیا لیکن وہ موت جس سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے جس سے نور ایمان بجھ جاتا ہے اور روح مر جاتی ہے اللہ سے بچھڑ کر اور یہ بدن چلتی پھرتی قبر بن جاتی ہے وہ موت

رحمت الٰہی سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دینے والی ہے ہر گناہ کی سزا یہ ہوتی ہے کہ عبادات میں کمی واقع ہونے لگتی ہے عبادات کی لذت چھن جاتی ہے عبادات کو جی نہیں چاہتا اگر کوئی بہت زیادہ نوافل پڑھتا ہے تو پہلی زد ہی نوافل پہ پڑتی ہے کہ نوافل چھوٹ جاتے ہیں اگر توبہ نہ کرے تو پھر سنن اور واجبات چھوٹ جاتے ہیں اگر اس پر بھی توبہ نہ کرے تو فرائض چھوٹنے لگتے ہیں اور اس پر بھی توبہ نہ کرے تو پھر ایمان کے چلے جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ اللہ بہت بڑا رحم کرنے والا ہے لیکن جو شخص عملاً" اس کے غضب کو تھام رہا ہو عملاً" اس کے غضب کو دعوت دے رہا ہو اور عملاً" اس کی ناراضگی کو دعوت دے رہا ہو اور زبان سے یہ کہہ رہا ہو اللہ بڑا رحیم ہے تو نتیجہ عمل پر مرتب ہو گا آپ ایک طرف دریا بہہ رہا ہے دوسری طرف آگ کا آلاؤ ہے تو چھلانگ آگ میں لگائیں اور یاد یہ کر رہا ہو کہ میرا یقین ہے کہ دریا کا پانی بڑا ٹھنڈا ہے بڑا میٹھا ہے عملاً" چونکہ اس نے آگ میں چھلانگ لگائی تو وہ عملاً" وہ جلے گا یہ کہنا کہ دریا کا پانی ٹھنڈا میٹھا ہے تو فائدہ نہیں دے گا اور یہی کچھ اختیار اللہ نے بندے کو دیا ہے توفیق عمل بھی خود دیتا ہے صحت بھی خود دیتا ہے لیکن قوت فیصلہ اس نے بندے کو دے دی ہے۔ **وھد ینہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا۔** ہم نے دونوں راستے کھول کر رکھ دیئے ہیں بندے کے سامنے اب امتحان یہ ہے اس کا کہ وہ اطاعت کی راہ شکر کی راہ اختیار کرتا ہے یا کفر اور ناشکری کی راہ اپناتا ہے۔

تو میرے بھائی سادہ سا جواب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت واقعی بے کنار ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ نافرمانی رحمت کو رد کر دیتی ہے اور غضب کا دامن تھام لیتی ہے گناہ اور گناہ صرف اسے نہ سمجھا جائے کہ ہم کوئی برا کام ہی کریں نہیں بلکہ جو حکم ملے اسے نہ ماننا سب سے بڑا گناہ ہے احکام الٰہی کی اتباع پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرواہ نہ کرنا یہ سب سے بڑا گناہ ہے میرے بھائی اللہ کرے کہ میری ان معروضات سے بات کی وضاحت ہوئی ہو اور سوال کرنے والے تک میری یہ باتیں پہنچ جائیں خدا کرے کسی کی اصلاح کا سبب بن جائیں۔

لیکن یاد رکھو کہ یہ دنیوی زندگی ہمارے پاس مہلت ہے اس میں جتنی خطائیں بھی ہو چکی ہیں ان کی فکر نہ کرو صرف اللہ کی رحمت کو تھامنے کی فکر کرو اس کی بخشش اتنی وسیع ہے کہ فرمایا **التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔** او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑا سے بڑا گنہگار جب توبہ کر لے تو اللہ اسے یوں پاک کر دیتے ہیں جیسے اس نے زندگی میں کوئی گناہ کیا نہ ہو لیکن اس کی رحمت کو تھامنے کا طریقہ توبہ کر کے اس کی بارگاہ میں آنا ہے اور توبہ محض لفظ نہیں ہے۔ توبہ گناہ سے باز آ جانے کا نام ہے نافرمانی سے رک جانے کا نام ہے۔ عملاً" زبان سے کروڑ بار کوئی توبہ کہے گناہ سے باز نہ آئے تو وہ توبہ نہیں ہے زبان سے ایک بار بھی نہ کہے اور نافرمانی کرنا چھوڑ دے تو یہ توبہ ہے تو میرے بھائی توبہ کر کے اس کی رحمت کا دامن تھام لیا جائے تو بہت وسیع ہے اور اس غلط فہمی میں رہنا کہ میں اس کی نافرمانی کرتا رہوں وہ بڑا رحیم ہے تو غلط فہمی یہ ہے کہ اس کی رحمت میں شک نہیں لیکن اس امیدوار نے اس کے غضب کا دامن تھام رکھا ہے تو یہ فیصلہ یہ غلط فیصلہ انسان کا اپنا ہے اور بندہ ساری دنیا سے دھوکا کر لے لیکن اتنی شرافت تو اس میں ہو کہ کم از کم اپنے آپ سے تو دھوکا نہ کرے اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنا بہت بڑی زیادتی ہے۔

بقیہ: اسلامی انقلاب کا فلسفہ

اللہ کی کتاب کی حکومت ہو ہمارے معاملات میں ہمارے بیع و شراء میں ہماری خرید و فروخت میں ہماری سیاسی وابستگیوں میں ہمارے ووٹ دینے اور نہ دینے میں ہمارے رائے دینے اور نہ دینے میں ہماری دوستی اور دشمنی میں ہر معاملے میں اللہ جل شانہ کا حکم اور اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم مقدم ہو تب جا کر بات بنے گی اللہ کریم ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔

دورِ حاضر میں

اسلامی انقلاب

ذریعۂ نجات

محمد شہباز اختر

جب شیطان کی شیطانیت نے ہر چیز کو اپنی بساط میں لپیٹ رکھا ہوتا ہے۔ انسانیت کفر و شرک اور ظلم و جبر کی چکی میں بری طرح پس رہی ہوتی ہے۔ انسانی معاشرہ بے حیائی اور بے راہ روی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔ احکام الٰہی اور انسانی وقار کو پس پشت ڈال کر بے یقینی و بے ایمانی کی راہ میں بھٹکتا چلا جاتا ہے۔ اور ہر قسم کی برائی اس میں میٹھے زہر کی طرح سرائیت کر جاتی ہے۔ انسانیت اس ظلم و زیادتی کی وجہ سے سسکتی ہے۔ تو پھر تاریخ شاہد ہے کہ جب ہر سو اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے تاریکی اور خوف و ہراس نے ہر چیز کو اپنے پنجوں میں جکڑ رکھا ہوتا ہے تو دور کہیں اجالے کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ جو بڑھتے بڑھتے ہر طرف ایک ہالہ سا بنا لیتی ہے۔ تاریکی و بے ایمانی کا دور اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ سسکتی ہوئی انسانیت اشرف المخلوقات کہلاتی ہے۔ ہر چیز کو اپنا اصل مقام مل جاتا ہے۔ عدل و انصاف اس معاشرے کی خصوصیت بن جاتا ہے۔ نیکی و پرہیز گاری برائی اور بے حیائی کو حرف غلط کی طرح مٹا دیتی ہے اور انسان احکام الٰہی کے مطابق امن و سکون سے زندگی گزارنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کو "انقلاب" (Revolution) کہتے ہیں اور اسلامی انقلاب (Islamic Revolution) کا مطلب ہے کہ "ہر چیز کو جس کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دیا گیا ہو۔ اس کو اس کے اصل مقام پر حدود خداوندی کے تحت رکھ دیا جائے اور زندگی کے ہر فعل کو خدائے بزرگ و برتر اور حضور اکرمؐ کی تعلیمات کی روشنی میں احسن طریقے سے سرانجام دیا جائے اور انسانی معاشرے کو کفر و شرک اور برائی سے نکال کر دین اسلام کے اصول و ضوابط کے تحت منظم و مرتب کر دیا جائے تاکہ دنیا اور آخرت دونوں میں رضائے الٰہی کا حصول ممکن ہو۔"

قوموں کی زندگی میں بعض دفعہ ایسے موڑ آتے ہیں کہ ان کی غفلت اور اعمال بد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اوج ثریا سے پستی کے گڑھوں میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوتی ہیں اور اپنی حالت زار پر کڑھتی ہیں۔ اور خدائے بزرگ و برتر کے حضور سجدہ ریز ہو کر اپنے گناہوں پر پچھتاتی ہیں۔ ایسے میں مشیت ایزدی جوش مارتی ہے۔ اور ان میں سے ایسے افراد کو مبعوث فرما دیتی ہے جو اس کی اصلاح کا بیڑہ اٹھاتے ہیں۔ اور اپنی انتھک محنت اور خدائے پاک کی رضا سے اس قوم کی اصلاح کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور یہی انقلاب اسلامی معاشرے کے اندر "اسلامی انقلاب" کہلاتا ہے۔

اب آئیں ذرا انہی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم پاکستان کے معاشرے پر ایک نظر دوڑائیں اور دیکھیں کہ کیا

پاکستانی معاشرہ اسلامی معاشرہ ہے یا کہ غیر تہذیب یافتہ معاشرہ۔ بحمد اللہ ہم مسلمان ہیں اور خدائے واحدہ لاشریک کے احسان مند ہیں کہ اس نے ہم کو مسلمان پیدا کیا اور مسلمان ہی اس دنیا سے اٹھائے۔ پاکستان کے قیام کا مقصد ہی یہی تھا کہ "ایک ایسا اسلامی ملک بنایا جائے۔ جس میں اسلام کے اصولوں کی حکمرانی ہو۔ اور عوام حدود اسلامی کے تحت زندگی گزار سکیں۔"

لیکن یہ بات صرف کاغذی حیثیت اختیار کر گئی اور تاریخ کا حصہ بن گئی۔ ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھا گیا۔ اب جب بھی نام نظر کے سامنے سے گزرتا ہے۔ تو شرم سی محسوس ہوتی ہے۔ کہ اس کا نام صرف اسلامی ہے اور کام سب کے سب غیر اسلامی۔ رشوت کا دور دورہ ہے۔ جبکہ اللہ نے فرمایا ہے۔

"کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔"

لیکن کھلے عام اس حکم کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ فحاشی و عریانی عروج پر ہے۔ جس کا زیادہ تر ذمہ دار میڈیا (Media) ہے۔ جمہوریت رائج ہے جو کہ یورپ سے مستعار لی گئی ہے اور کہا جاتا ہے۔ کہ یہ بہترین نظام حکومت ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں کہ یہ اللہ کے اسلام سے بہتر نظام ہے۔ حالانکہ اسلام تو مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں بنی نوع انسان کی فلاح اور راہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"آج سے میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا اور دین اسلام کو دین پسند فرمایا۔"

موجودہ نظام میں عدل و انصاف کا نام و نشان تک نہیں۔ جس میں دس پندرہ سال ایک مقدمے کا فیصلہ کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ ساری کی ساری انتظامیہ کرپٹ (Corrupt) ہے۔ انسانیت کی تذلیل ہو رہی ہے۔ جاگیردارانہ ذہنیت نے ملک پر اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ جو غریب عوام کو خستہ حالی کی آخری حد تک پہنچانے میں مصروف ہے۔ آزادی نسواں کا اس لئے نعرہ بلند ہو رہا ہے تاکہ فحاشی و عریانی اپنے ڈیرے جماسکے۔ نئی نسل کو گمراہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ روایتی اسلامی اقدار اور اسلاف کے کارناموں کو بھول کر یورپ اور امریکہ کے کلچر میں اپنے آپ کو ڈھال لیں۔ یہ سب کا سب سازشی ذہن کا پروپیگنڈہ ہے۔ ملک تباہی و بربادی کی آخری حدود کو چھو رہا ہے۔ زندگی سے سکون و اطمینان ختم ہوگیا ہے۔ ہر طرف ذہنی انتشار (Depression) پایا جاتا ہے۔ عوام اس کلچر کی گہرائیوں میں دھنستے چلے جا رہے ہیں۔ بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے۔ غرضیکہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو اس کلچر کا شکار نہ ہوا ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کی اصلاح کس طرح کی جائے۔ اسلام ہی وہ واحد نظام ہے جو اس بگڑے ہوئے پاکستان کی اصلاح کرے گا اور اسی سے ملک ترقی و کامیابی کی طرف گامزن ہوگا۔ اس لئے اسلامی انقلاب اب ناگزیر ہے۔ یہ تو ہوئی بات تجزیئے (Analysis) کی جو ایک عام انسانی ذہن حقائق و واقعات کے مطابق بڑی آسانی سے کرلیتا ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم تو مسلمان ہیں اور ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم اللہ کے دین کو نہ صرف رائج کریں بلکہ اس کو وسعت دیں یعنی نشر و اشاعت کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑے واضح الفاظ میں فرما دیا ہے۔ "کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور برائی سے منع کرے۔"

گویا کہ اب ہم پر فرض ہے کہ ہم نیکی کی ترغیب دیں۔ بہت ساری قوتیں اس کے مخالف ہیں۔ پروپیگنڈہ کے تحت علمائے کرام اور دوسرے صاحب ذکر و فکر لوگوں کے درمیان فاصلے پیدا کئے جا رہے ہیں۔ ایک عجیب و غریب نظام مسلط کر دیا گیا ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ لوگوں کو اس کی اصل روح سے بیگانہ کر دیا جائے۔ ایک وزیر صاحب نے بڑا جرات مندانہ بیان دیا۔ کہ "عوام ٹی وی پر

فحاشی دیکھنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا فحاشی سرعام ہوگی مولویوں اور علماء کو چاہیے کہ وہ اپنے ٹی وی بند کرلیں کیونکہ یہ دو تین فیصد طبقہ ہے جو یہ نہیں چاہتا۔"

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے بہتا ہے تو جم جاتا ہے

اب اسلامی انقلاب لانا اتنا آسان کام نہیں ہے اور ناممکن بھی نہیں۔ اب پھر اس پاکستان کو محمد بن قاسم کی ضرورت ہے میرے خیال میں اگر ہم اپنی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال لیں اور تفرقہ کو ختم کرکے اجتماعیت کے دائرے میں رہ کر سوچیں تو انشاء اللہ ایک دن ایسا بھی آئے گا۔ کہ سیاہی ڈھل جائے گی اور ہر چیز صاف اور شفاف ہو جائے گی۔ بالکل آئینے کی طرح آج کا نوجوان طبقہ (Young Generation) اس فرض کو بہتر طور پر نبھا سکتا ہے۔

ماں

ماں کے قدموں تلے جنت ہے (حدیث نبوی)

ماں کی نافرمانی کرنا کبیرہ گناہ ہے (حدیث نبوی)

ماں کی نافرمانی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ (حدیث نبوی)

ماں کو مسکرا کر دیکھنے والے کو حج کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (حدیث نبوی)

ماں کی اصل خوبصورتی اس کی محبت ہے اور میری ماں دنیا کی خوبصورت ماں ہے (محمد علی جوہر)

ماں کے بغیر گھر ایک قبرستان ہے (برنارڈ شا)

ماں کی آغوش انسان کی پہلی درسگاہ ہے (ارسطو)

ماں کی زندگی تاریک راہوں میں روشنی کا مینار ہے (آرچ بولڈ) ماں سے بڑھ کر کوئی بڑا استاد نہیں (افلاطون) ماں کی دعا میری کامیابی کا راز ہے (ہٹلر) ماں میری دنیا کی عزیز ترین ہستی ہے (ظہیر الدین بابر) ماں کی محبت پھول سے زیادہ تر و تازہ اور لطیف ہے (جارج واشنگٹن) ماں کی خوشنودی دنیا میں باعث دولت اور آخرت میں باعث نجات ہے (شیخ سعدی)

مہدی سوڈانی

ضیاء تسنیم بلگرامی

(انیسویں صدی کے آٹھویں عشرے کی وہ شخصیت جس نے سلطنت برطانیہ کو بے بس کر دیا تھا۔ بڑے بڑے تجربہ کار اس کے مقابلے میں ناکام رہے۔ ذوق یقین کے اس پیکر کا نام تھا محمد احمد۔ جو اچانک مہدی بن گیا اور مصر اور برطانیہ کو سوڈان سے نکال باہر کیا۔ اس کو کام کرنے کا وقت بہت کم ملا اور کام وہ کیا جو دوسرے پچاس سال میں بھی نہ کر سکے۔ اس نے اپنے کام کے لئے مہدویت کا سہارا لیا اور اس سہارے سے حیرت انگیز فائدہ اٹھایا۔ اس کے جھوٹے دعوائے مہدویت کے باوجود اس سے ہمدردی کی گئی اور اس کا نام احترام سے لا گیا کیونکہ وہ اپنے مقصد میں مخلص تھا)

دریائے نیل کا تیسرا آبشار سوڈان کے ایک گاؤں حنک کے قریب واقع ہے۔ سارا سال لوگ اس آبشار کو دیکھنے کے لیے پہنچتے رہتے ہیں۔ انیسویں صدی میں چونکہ پیشے محدود تھے اس لیے عموماً لوگ معروف پیشوں کی طرف راغب رہتے تھے۔

دریائے نیل نے اپنے دونوں کناروں پر رہنے والوں کے لیے جو پیشے مہیا کیا تھے ان میں کشتی سازی کا پیشہ بہت اہم تھا۔ حنک کے رہنے والے بھی کشتی سازی میں مشغول رہتے تھے۔ پوری آبادی کا مشہور استاد عبداللہ تھا۔ اس کی بیوی کا نام آمنہ تھا۔ ان دونوں میاں بیوی نے کبھی سوچا بھی نہ ہو گا کہ دونوں کا یہ اتفاق اور ملاپ مستقبل میں بے انتہا ہنگامہ خیز ثابت ہو گا۔

ان گھرانوں کی معاشی حالت کچھ زیادہ بہتر نہ تھی اس لیے عبداللہ ہر وقت نقل مکانی پر آمادہ رہتا تھا۔

۱۸۴۸ء میں ان کے ہاں ولادت ہوئی اور اس نومولود کا نام بالکل غیر ارادی طور پر محمد احمد رکھ دیا گیا۔ جب یہ نام رکھا جا رہا تھا تو دونوں میاں بیوی نے یہ سوچا بھی نہ تھا کہ عبداللہ اور آمنہ کے گھر میں پیدا ہونے والا محمد احمد مستقبل میں اس اتفاق سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔

محمد احمد کے کئی اور بھائی تھے۔ بچے کی پرورش ہوتی رہی اور اب عبداللہ نے یہ حتمی فیصلہ کر لیا کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ کے کہیں اور آباد ہو جائے گا۔ ادھر کچھ عرصے سے جزیرۂ ابا کے لوگ عبداللہ کو مجبور کر رہے تھے کہ وہ ان کے جزیرے میں منتقل ہو جائے۔

یہ جزیرہ سوڈان کے دارالخلافہ خرطوم کے شمال میں نیل ابیض پر واقع ہے اور یہاں کشتی سازی کا کام اعلیٰ پیمانے پر ہوتا تھا۔ عبداللہ جزیرۂ ابا میں منتقل ہو گیا اور یہاں بھی کشتی سازی کا کام شروع کر دیا جلد ہی اس نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

یہیں محمد احمد نے ہوش سنبھالا اور باپ نے اس کو دینی تعلیم دینی شروع کر دی۔ سب سے پہلے محمد احمد کو قرآن حفظ کرنے پر لگا دیا گیا۔ بارہ سال کی عمر میں اس نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔

بیوی نے مشورہ دیا کہ بیٹے کو بھی کشتی سازی کا کام سکھایا جائے لیکن بے حد سنجیدہ اور بردبار محمد احمد باپ کے بس کا نہ تھا۔ معلوم نہیں کیوں باپ اس پر سختی بھی نہیں کر سکتا تھا اور یہ سوچ کر کہ عمر نکلی جا رہی ہے' اس نے فیصلہ کیا کہ محمد احمد کو ایک دوسرے جزیرے شبکہ میں اپنے بھائی شریف الدین کے پاس بھیج دے۔ شریف الدین ذرا سخت مزاج تھا اور عبداللہ کے خیال میں وہی محمد احمد کو کشتی سازی کا کام سکھا سکتا تھا۔

محمد احمد کو اپنے چچا کے پاس جانے میں اعتراض تھا لیکن فرمانبردار بیٹے نے مرضی نہ ہونے کے باوجود جزیرۂ شبکہ کا سفر اختیار کیا۔

شریف الدین نے ایک عرصے کے بعد اپنے بھتیجے کو دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ اس نے تقریباً" دس سال پہلے بھتیجے کو دیکھا تھا اور اب وہ بارہ تیرہ سال کا ہو چکا تھا۔

شریف الدین نے محمد احمد کو کشتی سازی کے کام میں لگانا چاہا تو محمد احمد نے عدم دلچسپی ظاہر کی اور کہا " میں پڑھنا چاہتا ہوں۔" چچا نے کہا " تو نے اللہ کے کلام کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا ہے اب اس کے بعد بھی کسی علم کی ضرورت رہتی ہے؟ "

محمد احمد کو اپنے چچا کی کم علمی پر افسوس ہوا اور کہا " اگر کلام پاک کا حفظ کر لینا ہی علم کی حصولیابی کی معراج ہے تو پھر یہ دینی علوم کی اعلیٰ مدارس کیوں کھلے ہوئے ہیں' انہیں بند ہو جانا چاہیے۔"

سوڈان کا صدر مقام خرطوم زیادہ دور نہیں تھا اور خرطوم میں کئی اعلیٰ درجے کے دینی مدارس تھے جو محمد احمد کی علمی

تشنگی کو بجھا سکتے تھے۔

خرطوم پہنچ کے اس نے لوگوں سے معلوم کیا۔ "یہاں سب سے اچھا دینی مدرسہ کون سا ہے؟"

کئی لوگوں نے متفقہ طور پر مدرسہ خوجلی کا نام لیا۔ چنانچہ محمد احمد نے اس مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ شریف الدین نے اپنے بھائی کو مطلع کر دیا کہ محمد احمد نے اس سے کشتی سازی کا کام نہیں سیکھا اور خرطوم کے ایک مدرسے میں داخلہ لے لیا ہے۔

عبداللہ نے اس کا کوئی خاص اثر نہ لیا اور یہ سوچ کر کہ اگر بیٹا آبائی ہنر نہیں حاصل کرنا چاہتا اور دینی علوم حاصل کرنا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔

مدرسہ خوجلی میں شمالی افریقہ کے بھی چند لڑکے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ انہی کے ذریعے محمد احمد کو معلوم ہوا کہ بربر میں مدرسہ خوجلی سے بھی اعلیٰ درس گاہیں موجود ہیں۔

چنانچہ محمد احمد نے مدرسہ خوجلی سے فارغ ہونے کے بعد بربر کا سفر اختیار کیا اور وہاں نہایت لگن سے پڑھنا شروع کر دیا۔ اسی مدرسے میں لوگوں نے محمد احمد کو بتایا کہ یہ تو پڑھنے پڑھانے کے مدرسے ہیں لیکن عملی علوم کے لیے کسی شیخ طریقت کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔

محمد احمد نے ارداب کا سفر اختیار کیا اور شیخ نور الدائم کی مریدی اختیار کر لی۔ یہ نہایت مشہور بزرگ تھے اور پیر طریقت کہلاتے تھے۔ محمد احمد نے یہاں ان سے کچھ عرصے تک علوم حال کی تحصیل کی پھر کچھ عرصے بعد خرطوم کی واپسی اختیار کی کیوں کہ ارداب میں کسی نے محمد احمد کو بتایا تھا کہ خرطوم میں طریقہ سمانیہ کے مرشد کامل شیخ محمد شریف موجود ہیں۔

محمد احمد نے خرطوم پہنچ کے شیخ محمد شریف کی مریدی اختیار کی۔ اسی دوران ایک عجیب اتفاقی واقعہ پیش آیا۔ شیخ محمد شریف کے بیٹے کی رسم ختنہ بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ شہر بھر کے مریدوں نے اس میں حصہ لیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ مارے خوشی کے رقص و سرود میں مبتلا ہو گئے۔

جب یہ ہنگامہ جاری تھا تو محمد احمد اس ہنگامے سے الگ تھلگ کھڑا تھا۔ مریدوں نے اسے بلایا تو محمد احمد نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔ "افسوس کہ میں خلاف شرع تقریب میں حصہ نہیں لے سکتا۔"

مریدوں نے حیرت سے محمد احمد کو دیکھا اور کہا "جناب! یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس میں ہمارے شیخ طریقت شیخ محمد شریف کی مرضی شامل ہے اور وہ اسے برا اور ناجائز نہیں سمجھتے۔"

محمد احمد نے جواب دیا "لیکن میں کہتا ہوں کہ شریعت حقہ کسی ناجائز فعل کو جائز نہیں قرار دے سکتی اور یہ حق شیخ طریقت کو بھی حاصل نہیں کہ وہ کسی ممنوع فعل کو جائز قرار دے دیں۔"

ادھر یہ گرما گرمی جاری تھی دوسری طرف مریدوں نے شیخ محمد شریف کو محمد احمد کے باغیانہ رویے کی خبر پہنچا دی۔

شیخ کو بے حد غصہ آیا اور اسی وقت محمد احمد کو طلب کر لیا اور پوچھا "یہ تم میرے مریدوں میں کیا بکواس کرتے پھر رہے ہو؟"

محمد احمد نے کہا "آپ میری جن باتوں کو بکواس کہہ رہے ہیں وہ بکواس نہیں ہیں اور اس معاملے میں' میں حق پر ہوں اور میں آپ پر بھی یہ واضح کیے دیتا ہوں کہ شریعت نے جن افعال کو ناجائز قرار دیا ہے' آپ انہیں کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دے سکتے۔"

شیخ شریف نے کہا "تم اپنے رویے کی معافی مانگو ورنہ میں تم کو اپنے مریدوں کی فہرست سے خارج کر دوں گا۔"

محمد احمد نے کہا "بہتر ہے کہ میرا نام آپ کے مریدوں کی فہرست سے خارج ہو جائے مبادا میرا نام دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔"

محمد احمد نے خرطوم چھوڑ دیا اور جزیرہ ابا کی واپسی اختیار کی۔ والدین نے ایک عرصے بعد اپنے بیٹے کو دیکھا تو احساس ہوا کہ یہ بہت بدل چکا تھا اور وہ بھی اپنے بیٹے کی عزت و تکریم پر مائل ہو گئے۔

محمد احمد نے اپنے گرد و پیش اسلام کی حالت زار دیکھی تو اسے بے حد افسوس ہوا۔ اسے کوئی شخص بھی مخلص نظر نہ آیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے مذہب کے نام پر دوکانیں کھول دی گئی ہیں اور ہر کوئی دنیا کی کمائی میں مشغول ہو گیا ہے۔ اس کو اپنے ماحول سے کراہت اور نفرت سی ہونے لگی۔ وہ سکون' فکر اور معاشرے کی بیماریوں کی تشخیص کے لیے تخلیہ چاہتا تھا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ بظاہر سوڈان مسلمانوں کا ملک ہے اور اس کے صوبوں میں مقامی مسلمان حاکم بھی پائے جاتے ہیں مگر اصل حکومت انگریز کی ہے اور سوڈان کے آقا انگلستان میں رہتے

ہیں۔ وہیں سے گورنروں کے عزل و نصب کے احکامات صادر ہوتے ہیں۔

محمد احمد نے ان سارے امور کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک غار میں روپوشی اختیار کی۔ یہاں مختلف خوشبویاتی گوند جلا کے فضا کو معطر کر دیا۔

غار میں عبادت و ریاضت کا سلسلہ جاری تھا اور غار کے باہر لوگوں میں محمد احمد کے زہد و تقویٰ کی داستانیں شہرت پا رہی تھیں۔ اب لوگوں نے غار کے چکر لگانا شروع کر دیے۔ یہ لوگ محمد احمد کے مرید ہونا چاہتے تھے۔

آخر محمد احمد کی طرف سے ان کو اندر بلوایا گیا اور مریدوں کی تعداد میں دن دونا اور رات چوگنا اضافہ ہونے لگا۔ ہزارہا لوگ حلقہ مریدین میں داخل ہو گئے۔

دوسرے پیران طریقت اس نئے پیر سے خائف نظر آنے لگے۔

اس کے عزائم ہی کچھ اور تھے۔ اتنے بڑے عزائم کہ بڑی بڑی طاقتور حکومتیں بھی اس طرح سوچتے ہوئے وحشت محسوس کرتیں۔ وہ سوڈان سے انگریزوں کو نکالنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

یہ ساری خبریں خرطوم پہنچ رہی تھیں لیکن اس وقت اس کے ساتھ آدمی تو تھے مگر ہتھیار نہ تھے۔

کہتے ہیں کہ اسی دوران اس شخص کی ملاقات مولانا جمال الدین افغانی سے ہو گئی جمال الدین افغانی بھی محمد احمد کی شہرت زہد و تقویٰ کے قائل ہو گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا' محمد احمد سے ملے اور دیر تک حالات حاضرہ پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔ مولانا کو اس حسن اتفاق کا علم تھا کہ محمد احمد کے والد کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہے۔ مولانا نے مشورہ دیا " اس حسن اتفاق سے فائدہ اٹھاؤ۔"

شاید محمد احمد کے ذہن میں بھی کوئی ایسی بات تھی۔

محمد احمد نے پوچھا " میں اس حسن اتفاق سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہوں؟"

مولانا افغانی نے مغربی استعارہ کا ذکر کیا " آج کل افریقہ اور ایشیا پر مغربی اقوام کا غلبہ بڑھتا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں ان کی مشرقیت اور مذہبیت مجروح ہو رہی ہے۔ تم سوڈان سے انگریزی اثرات زائل کر سکتے ہو۔"

محمد احمد نے کہا " لیکن میرے پاس تو نہ اسلحہ ہے اور نہ فوجی تربیت کا کوئی انتظام۔ ہاں مریدوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ انگریز سے ٹکر لینا آسان کام نہیں ہے۔"

مولانا نے کہا " دروغ مصلحت آمیز' بہ از راستی فتنہ انگیز۔ تم مہدویت کا دعویٰ کر سکتے ہو۔ اس سے تمہارے مریدوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو جائے گا اور یہ لوگ احیائے دین کے لیے اپنی جانیں قربان کر دینے میں فخر محسوس کریں گے۔"

محمد احمد نے دریافت کیا " مریدوں کی کثرت ہمیں کیا فائدہ پہنچائے گی کیونکہ ان کے پاس ہتھیار نہیں ہوں گے؟"

مولانا نے کہا " پہلے تم اپنے مریدوں میں اسلامی روح بیدار کرو۔ ان کی تربیت کرو اور انہیں بتاؤ کہ اسلام کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ جب اس میں کامیاب ہو جاؤ تو ان کو جہاد کی تلقین کرو۔ جہاد فی سبیل اللہ۔"

مولانا تو یہ مختصر سا مشورہ دے کر چلے گئے لیکن اس مشورے میں محمد احمد کے لیے ایک ایسا خاکہ موجود تھا کہ اس کے مطابق تیاری کر کے وہ کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دے سکتا تھا۔

اب محمد احمد نے دین کے ساتھ ساتھ دنیا پر بھی توجہ دینی شروع کر دی۔ اس نے اپنے مریدوں کو بتایا کہ خالص دین کیا ہوتا ہے اور ملاوٹ والا دین کسے کہتے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ کیا شیوخ اور کیا علمائے دین یہ سب موقع پرست' جاہ طلب اور دنیا دار لوگ ہیں۔ اپنے مطلب کے لیے یہ لوگ دینی امور میں حسب منشا تاویلات سے کام لیتے ہیں۔

محمد احمد نے جو زندگی اختیار کی تھی وہ بہت دشوار تھی۔ مریدوں پر اس کا خاص اثر ہوا اور یہ بھی پیر و مرشد کی طرح بننے کی کوشش کرنے لگے۔

یہ خبریں خرطوم پہنچیں تو خرطوم کے گورنر کو ایک فکر لاحق ہو گئی۔

مئی ۱۸۸۱ء میں محمد احمد نے دلیرانہ قدم اٹھایا۔ ان دنوں سوڈان خدیو مصر کے ماتحت تھا اور مصری حکومت کی طرف سے رؤف پاشا سوڈان کا گورنر تھا اور خدیو مصر سلطنت انگلشیہ کا تابعدار تھا۔

محمد احمد نے سوڈان کے تمام ممتاز لوگوں کے نام مراسلات بھیجنا شروع کر دیے۔ ان مراسلات کا مضمون تھا۔

" جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جس

مہدی کے آنے کی اطلاع دی تھی وہ میں ہوں۔ مجھے خداوند عالم کی طرف سے سفارت کبریٰ عطا ہوئی ہے تاکہ میں دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دوں اور ان تمام خرابیوں کی اصلاح کر دوں جو لوگوں نے دین متین میں پیدا کر دی ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمام عالم میں ایک مذہب' ایک شریعت اور ایک بیت المال قائم کروں اور جو شخص میرے احکام کی تکمیل نہ کرے' اسے بحیرہ عدم میں غرق کردوں۔"

یہ مراسلات سوچ سمجھ کر ماہ رمضان میں جاری کیے گئے تھے۔ گویا مہدی موعود ہونے کا دعویٰ ماہ رمضان میں کیا گیا جب کہ قرآن کا نزول بھی ماہ رمضان میں ہوا تھا۔ یہ سوچی سمجھی مطابقت تھی جس کا زبردست اثر ہوا اور قلیل مدت میں سوڈان اور مصر کے طول و عرض میں اس دعوت کا چرچا ہونے لگا۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ سوڈان کے گورنر رؤف پاشا کو خرطوم میں جولائی کے مہینے میں ان مراسلات کی خبر ہوئی۔ گویا وہ ڈھائی ماہ بعد۔ رؤئف پاشا کو اندازہ تھا کہ یہ خبریں مصر میں بھی پہنچ رہی ہوں گی اور خدیو مصر اس سے اس کا جواب طلب کرے گا۔

رؤف پاشا نے اس جواب طلبی سے پہلے ہی ابو سعود نامی شخص کو اپنا نمائندہ بنا کے محمد احمد کے پاس روانہ کیا۔

ابو سعود کو چار جید علماء بھی دیئے گئے جو مذہبی معاملات میں محمد احمد سے بحث و مباحثہ کر سکتے تھے۔ ابو سعود کو یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ وہ مہدی سوڈانی کو بہلا پھسلا کے کسی طرح خرطوم لے آئے۔ اس کے بعد حکومت خود اس کی مزاج پرسی کرے گی۔

ابو سعود نے یہ سفر کشتی کے ذریعے کیا اور جزیرہ ابا پہنچ گیا۔

اس نے کشتی سے اترتے ہی بہ آواز بلند پوچھا " وہ شخص کہاں ہے جس نے مہدویت کا دعویٰ کیا ہے؟"

مریدوں نے مہدی سوڈانی کو اطلاع دی تو یہ شخص جو اپنے چند مریدوں کے ساتھ ساحل پر پہنچ گیا اور کہا " تو کون ہے اور تجھ کو یہاں کس نے بھیجا ہے؟"

رؤف پاشا کے اس نمائندے کو ایک شاندار ساحلی عمارت میں ٹھہرایا گیا تھا اور جس میں مہدی سوڈانی ابو سعود کے سامنے پہنچا تو وہ ایک شاندار مسند پر بیٹھا ہوا تھا۔

مہدی سوڈانی نے اس کے مرتبے اور مقام کی پروا کیے بغیر یہ جسارت کی کہ نہایت بے تکلفی سے اس کی مسند پر جا بیٹھا " میں ہوں مہدی۔ میرا نام محمد احمد ہے میرے باپ کا نام عبداللہ اور میری ماں کا نام آمنہ ہے۔"

ابو سعود اور اس کے ساتھی چاروں علماء نے محمد احمد کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور ابو سعود نے حیرت سے کہا " یہ تم ہو مہدی سوڈانی؟"

اس کے ساتھ ہی ابو سعود نے اشارہ کیا کہ وہ اس کی مسند سے اٹھ جائے مگر محمد احمد نے اٹھنے سے انکار کر دیا اور کہا " اے گورنر خرطوم کے نمائندے! مجھے دیکھ کہ میں ہی وہ مہدی ہوں جس کا انتظار کیا جا رہا تھا اور یہ تیرا فرض ہے کہ تو بھی میری مہدویت پر ایمان لائے۔"

ابو سعود کسی حد تک مرعوب ہو چکا تھا' اس نے پوچھا " اس دعویٰ سے تمہاری غرض کیا ہے؟"

مہدی سوڈانی نے جواب دیا " خدائے کردگار نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دوں۔ کفر کو سرنگوں اور دین حنیف کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کروں۔ خدا کی زمین پر خدائے لم یزل کا قرآنی قانون حکمران ہو اور ہر طرف اسلام سربلند دکھائی دے۔"

ابو سعود نے کہا " مصر کا خدیو اور خرطوم کا گورنر رؤف پاشا بھی مسلمان ہی ہیں اور تم بھی مسلمان ہو تو پھر ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو تبلیغ و تلقین کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟"

مہدی سوڈانی نے کہا " غلط بالکل غلط۔ نہ تو خدیو مصر مسلمان ہے اور نہ رؤف پاشا۔ اگر یہ مسلمان ہوتے تو یہ نصاریٰ کو سیاہ و سفید کا مالک نہ بنا دیتے۔ پورے ملک میں جگہ جگہ گرجے تعمیر ہو رہے ہیں اور عیسائیوں کی تبلیغی جماعتیں مسلمانوں کو مرید بنانے کی کوششوں میں مشغول ہیں۔"

ابو سعود نے مہدی کو سمجھایا " دیکھو مصری حکومت سلطنت انگلشیہ کی مخالفت اچھی نہیں۔ تم جو کچھ کر رہے ہو' اسے یہیں روک دو۔ میرے ساتھ خرطوم چلو۔ گورنر رؤف پاشا تمہارا انتظار کر رہا ہے اور جو کچھ تم مجھ سے کہہ رہے ہو یہی باتیں اس سے کرو۔ اگر وہ قائل ہو جائے گا تو میں بھی خاموش ہو جاؤں گا۔"

ابو سعود نے درشت لہجہ اختیار کیا اور دھمکی دی "

تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ میرے ساتھ خرطوم چلو اور خود کو رؤف پاشا کے حوالے کردو۔ اگر تم نے میری یہ بات نہ مانی تو جان لو کہ تمہارے خلاف طاقت استعمال کی جائے گی اور سرکاری توپیں اور انگریزی جنگی جہاز گولہ باری کر کے تیرے اس جزیرہ ابا کو خاک سیاہ کر دیں گے۔"

اس وقت مہدی سوڈانی کے بائیں طرف کمر سے شمشیر لٹکی ہوئی تھی۔ اس نے شمشیر کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا "کسی بدبخت کی کیا مجال کہ میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے اور تیری بہتری اسی میں ہے کہ تو یہاں سے فوراً چلا جا اور آئندہ اپنے دل سے یہ خیال نکال دے کہ میں تیرے ساتھ خرطوم جاؤں گا۔"

ابو سعود خوفزدہ ہو گیا۔ اسے افسوس تھا کہ اس کے ساتھ آنے والے چاروں علماء شروع سے آخر تک خاموش رہے تھے اور جب اس نے یہ شکایت ان چاروں سے کی تو عالموں نے جواب دیا "یہ جنونی شخص ہماری کسی دلیل سے قائل نہ ہوگا اس لیے ہم خاموش رہے۔ کیا آپ نے اس کے تیور نہیں دیکھے۔ ہمیں تو یہ ڈر لگ رہا تھا کہ اگر بات زیادہ بڑھی تو یہ جنونی آپ پر اپنی شمشیر سے حملہ آور ہو جائے گا۔"

ابو سعود خرطوم واپس پہنچا اور رؤف پاشا کو صورت حال سے آگاہ کیا۔

رؤف پاشا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "تو نے وہاں کے حالات دیکھے ہیں اب ہمیں مشورہ دے کہ ہم اس فتنے کا سر کس طرح کچلیں۔"

ابو سعود نے مشورہ دیا "جناب والا! میں نے اس کی قوت کا اندازہ لگا لیا ہے۔ ابھی وہ اتنا طاقتور نہیں ہے کہ ہم اس کے خلاف کوئی بڑی طاقت استعمال کریں۔ آپ ہمیں پچاس جنگجو دے دیں۔ میں اس منافق کو گرفتار کر کے آپ کے حوالے کر دوں گا۔"

لیکن رؤف پاشا کو ابو سعود کے جواب سے اطمینان نہ ہوا' اس نے کہا "صرف پچاس سپاہی یا دو چار سو۔ مجھے تو یہ شخص تیرے پچاس سپاہیوں کے بس کا نہیں معلوم ہوتا۔"

ابو سعود نے جواب دیا "میں نے اس خانہ ساز مہدی کی قوت کا اندازہ لگا لیا ہے۔ یہ گرجنے والا بادل کیا برسے گا۔"

رؤف پاشا نے پچاس جنگجو ابو سعود کے حوالے کر دیے اور تاکید کرتے ہوئے کہا "جتنی جلدی ممکن ہو' اس فتنے کو کچل دیا جائے تو نے اگر ہزار پانچ سو سپاہیوں کا مطالبہ کیا ہوتا تو میں ان کا بھی انتظام کر دیتا۔"

ابو سعود پچاس جنگجو اپنے ساتھ لے کر جزیرہ ابا کی طرف روانہ ہوگیا۔

مہدی سوڈانی کو اس کے آدمیوں نے پہلے ہی سے خبردار کر دیا تھا کہ پچاس جنگجو ان کی سرکوبی کے لیے آ رہے ہیں۔

مہدی نے ساحل کے آس پاس اپنے مریدوں کو چھپا دیا اور حکم دیا "یہ جیسے ہی ساحل پر اتریں' ان کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔"

ابو سعود اپنے خیالوں میں کامیابی کے نشے میں چور معلوم نہیں کیسے کیسے منصوبے بنا رہا تھا۔ اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ابا کے ساحل پر ملک الموت ان سب کا انتظار کر رہا ہے۔

ابو سعود جزیرہ ابا کے ساحل پر اتر کر اپنے آدمیوں کو ہدایات ہی دے رہا تھا کہ اچانک مہدی سوڈانی کے مریدوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ ذرا سی دیر میں ان سب کا صفایا ہو گیا۔ ان کے ہتھیار مریدوں کے قبضے میں چلے گئے۔

یہ خبریں خرطوم میں رؤف پاشا کو پہنچیں تو وہ سخت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ ابو سعود تو اپنے پچاس سپاہیوں کے ساتھ مارا گیا اب کیا تدبیر کی جائے کہ اس پر قابو پایا جائے۔

رؤف پاشا نے خدیو مصر کو سوڈان کے حالات لکھ کر بھیجے اور مشورہ لیا کہ ان حالات میں انہیں کیا کرنا چاہیے؟

خدیو مصر نے بھی حالات کا صحیح اندازہ نہ کیا اور تین سو سپاہی اور دو عدد توپیں ایک جنگی جہاز کے ذریعے جزیرہ ابا روانہ کرنے کا مشورہ دیا اور امید ظاہر کی کہ اس طرح اس فتنے کو بہ آسانی کچلا جا سکے گا۔

یہ دستہ ۱۱ اگست کی صبح جزیرہ ابا روانہ کر دیا گیا۔ اس کا کمان دار علی آفندی تھا۔ یہ فوجی قافلہ جزیرہ ابا سے کچھ فاصلے پر اترا۔

اس تازہ دستے کی خبر بھی مہدی سوڈانی کو مل چکی تھی اور اس نے بھی اپنے آس پاس بہت سے آدمی جمع کر لیے تھے۔

علی آفندی نے دور سے ایک ہجوم کو دیکھا۔ یہ ہجوم ایک شخص کی سرداری میں علی آفندی کی طرف آ رہا تھا۔ علی آفندی نے ہجوم اور اس کے درمیان معزز شخص کو دیکھ کر اندازہ لگایا کہ شاید یہی شخص مہدی سوڈانی ہے۔

وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اچانک ان پر حملہ کر دیا۔ علی آفندی نے جس شخص کو غلطی سے مہدی سمجھا تھا اس کو مخاطب کیا " تونے ملک میں کیوں فساد ڈال رکھا ہے؟؟"

پھر دوسری طرف سے جواب کا انتظار کئے بغیر ہی علی آفندی نے اس شخص کو گولی مار دی اور اپنی دانست میں اس فتنے کے روح رواں کو ختم کر دیا۔

مرنے والے کے ساتھیوں نے اتنی جلدی اور تیزی سے جوابی کارروائی کی کہ علی آفندی اور اس کے تین سو سپاہیوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا اور سبھی مارے گئے۔ مقتولوں کے ہتھیار مہدی سوڈانی کے مریدوں کے ہاتھ آئے۔

اب بھی جہاز پر کچھ سپاہی موجود تھے اور وہ دور سے گولہ باری کر سکتے تھے۔ افسر توپ خانہ نے حکم دیا کہ ان مریدوں کو گولہ باری کر کے نیست و نابود کر دیا جائے مگر توپ چلانے والوں نے مہدی سوڈانی کے مریدوں کی مقدس وضع قطع دیکھی تو ان کے دل جذبہ احترام سے سرشار ہو گئے اور انہوں نے گولہ باری میں لیت و لعل سے کام لیا۔ جب زیادہ دباؤ بڑھا تو ہوائی فائر شروع کر دیئے۔

مہدی سوڈانی نے اپنے مریدوں کو ہدایت کہ وہ دونوں جہازوں کے مقابل سے ہٹ جائیں اور یہ لوگ فوراً ہی سامنے سے ہٹ گئے۔ دونوں جہاز سپاہیوں سے محروم ہو چکے تھے اس لیے یہ بھی مریدوں کے اچانک حملے سے خوف زدہ ہو کر بحالت شکست خوردگی خرطوم واپس چلے گئے۔ اس دوسری شکست نے مہدی سوڈانی کی طاقت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا جب کہ مصر کی سرکاری فوج خوف زدہ ہو گئی اور یہ لوگ بھی مہدی سوڈانی کی بزرگی کے قائل نظر آنے لگے۔

مہدی سوڈانی نے اس دوسرے حملے کے بعد جزیرہ ابا کو مخدوش قرار دے دیا۔ یہاں سے خرطوم بہت قریب تھا اور یہ قربت مہدی کے لیے مستقلاً" خطرہ تھی۔ اس نے اپنے مریدوں کو جمع کیا اور انہیں بتایا کہ وہ جزیرہ ابا کو چھوڑ رہا ہے۔ اس نے اپنے ایک مرید خاص احمد مکاشف کو ابا میں اپنا مقام مقرر کیا اور خود کوہ کردو خان چلا گیا۔ اب یہ جگہ اس کا مرکز اور مستقر قرار پائی۔

جزیرہ ابا کے شمال میں پچاس میل کے فاصلے پر نیل ابیض کے قریب کاوا نامی مقام پر کچھ مصری فوج پہلے سے ٹھہری ہوئی تھی۔ اس فوج میں چودہ سو سپاہی تھے اور اس کا کمانڈار محمد سعید پاشا تھا۔

جب مہدی سوڈانی کوہی کرود خان پہنچا تو اسے اس مصری فوج کے بارے میں بتایا گیا۔ اس نے فوراً کرود خان کے جنوبی حصے کا رخ کیا۔

محمد سعید پاشا نے یہ سوچا کہ اگر وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اچانک مہدی سوڈانی اور اس کی جماعت کا خاتمہ کر دے گا تو بڑی شہرت پائے گا اور مصری حکومت اس کو انعام و اکرام کا مستحق قرار دے گی۔

محمد سعید پاشا نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور کرود خان کے کوہستانی جنگلات میں مہدی سوڈانی اور اس کی جماعت کا پتا لگانے لگا۔ اس جستجو میں وہ خود اور اس کی فوج اصل راستے سے بھٹک گئی۔ اب وہ مہدی سوڈانی کو بھول بھال کے یہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے مگر انہیں راستہ نہیں مل رہا تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق کی بات تھی کہ انہیں کوئی مقامی رہنما بھی نہ ملا جس سے وہ راستہ پوچھ کے ان بھول بھلیوں سے باہر نکلتے۔

مہدی سوڈانی جنوبی کوہستانی سلسلے میں اطمینان سے ان چودہ سو سپاہیوں کی پریشانی کا حال سن رہا تھا۔ آخر مصری سپاہ کھانے پینے سے بھی محروم ہو گئی۔ اس کے پاس جو کچھ تھا وہ راستہ بھٹکتے ہوئے خرچ ہو چکا تھا اور دور دور تک آبادی کا پتا نہ تھا جہاں سے کھانے پینے کا سامان حاصل کیا جاتا۔ اب اس بھوکی پیاسی فوج کو مہدی کے تقدس کا احساس ہوا اور وہ اپنی اس پریشانی کو من جانب اللہ سزا سے تعبیر کرنے لگے۔ انہیں اپنے کمان دار پر غصہ آ رہا تھا جس نے ان کو بھوک پیاس کی اس وادی میں لا ڈالا تھا۔ ان میں آپس میں جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرا کے آپس میں جنگ شروع کر دی۔ یہ جنگ اس وقت ختم ہوئی جب ان کا ایک ایک سپاہی اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اس یہ جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا کیونکہ بھوک پیاس کی نقاہت نے انہیں لڑنے کے قابل ہی نہ رکھا تھا۔ یہ بھوکے پیاسے اپنی موت آپ مر گئے۔ جو دو چار باقی بچے اور یہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے انہوں نے اپنی یہ داستان غم دوسروں تک پہنچائی اور دنیا کو محمد سعید پاشا اور اس کے چودہ سو سپاہیوں کے انجام کا علم ہوا۔

قاہرہ میں یہ تشویشناک خبریں پہنچیں تو وہاں سے رؤف

پاشا کو یہ حکم بھیجا گیا کہ وہ اس فتنے کو مزید ڈھیل نہ دے اور جس طرح بھی ممکن ہو' مہدی سوڈانی کو گرفتار کر لے اور اس کی جمعیت کو منتشر کر دے۔

رؤف پاشا کو اپنا اقتدار خطرے میں نظر آنے لگا۔ اس نے یکے بعد دیگرے دو فوجیں مہدی سوڈانی کے مقابلے کے لیے روانہ کیں۔ اسے یقین تھا کہ یہ دونوں فوجیں یکے بعد دیگرے مہدی پر حملہ آور ہوں گی اور ہمیشہ کے لیے اس فتنے کا خاتمہ کر دیں گی مگر یہ دونوں فوجیں بھی حسب سابق ناکام رہیں۔ اب مہدی سوڈانی کے مرید درویش کہلانے لگے تھے۔ ان درویشوں نے رؤف پاشا کی دونوں فوجوں کو نیست و نابود کر دیا اور ان کے ہتھیاروں کو انعام الٰہی سمجھ کے ذخیرہ کر لیا۔

اب قاہرہ کی حکومت کے لیے رؤف پاشا کا وجود ناقابل برداشت اور فضول سا ہو کر رہ گیا تھا۔

قاہرہ سے رؤف پاشا کے نام ایک سخت فرمان جاری ہوا کہ اب اسے آخری موقع دیا جا رہا ہے۔ وہ اپنی ساری توانائی اور دانائی اس فتنے کے خاتمے پر صرف کر دے اور اگر وہ اس بار بھی ناکام و نامراد رہا تو اسے معزول کر دیا جائے گا اور اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو بھیجا جائے گا جو مزید وقت اور فوج ضائع نہیں کرے گا۔

رؤف پاشا پہلے ہی پریشان تھا اب اس سخت فرمان نے اس کے ہوش و حواس خطا کر دیے اور وہ مہدی سوڈانی اور اس کے درویشوں کے خاتمے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔

اسی غور و فکر کے درمیان رؤف پاشا کو حاکم فشوده رشدید بے کا خیال آیا۔ اس شخص کا اپنے کامیاب محاربات کی وجہ سے بڑا شہرہ تھا۔ گورنر ہونے کے باوجود رؤف پاشا نے رشید بے سے درخواست کی کہ وہ اس مہم کے انصرام کی ذمے داری قبول کرے اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو وہ خودکشی کر لے گا۔

رشید بے کو رؤف پاشا کی حالت زار دیکھ کر افسوس ہوا اور اس نے نہایت ہوشیاری اور دلجمعی سے مہدی سوڈانی کے خلاف جنگ کی منصوبہ بندی کی۔ وہ خود بھی اپنی ناکامی کو باعث ذلت سمجھتا تھا۔

رشید بے نے انتہائی احتیاط سے جنگ کی منصوبہ بندی کی اور قطعی فتح حاصل کرنے کے ارادے سے مہدی سوڈانی کے مقابلے پر روانہ ہو گیا۔

مہدی سوڈانی اور اسُ کے درویشوں کے پاس جذبہ خلوص اور ایمان کی قوت کے علاوہ کچھ ہتھیار بھی تھے۔ یہ ہتھیار انہوں نے اپنے دشمن سے چھینے تھے۔ ان درویشوں کے پاس بندوقیں بھی تھیں لیکن ان کا سب سے زیادہ کارآمد اور مفید ہتھیار نیزہ تھا۔ یہ اپنے نیزوں کا استعمال بڑے بھرپور انداز میں کرتے تھے۔ یہ نیزے دشمنوں کے حلق میں سوراخ کر دیتے تھے اور یہی نیزے پسلیوں کو توڑتے ہوئے دوسری طرف نکل جاتے تھے۔ بازوؤں کو چھیدتے تو ہاتھ بے کار ہو جاتے۔ ٹانگوں کو چھیدتے تو آدمی چلنے پھرنے کے لائق نہ رہ جاتا۔ ان کے دشمن ان کے نیزوں سے بہت گھبرائے تھے۔

رشید بے اپنی فوج لے کر مہدی سوڈانی کے مقابلے میں پہنچا تو اس کا ارادہ یہ تھا کہ یہ مہدی سوڈانی کی آخری جنگ اور آخری شکست ہوگی۔

اس نے اپنے جاسوسوں کو پھیلا دیا تاکہ وہ درویشوں کی منزل و مستقر کی صحیح صحیح خبر دیں لیکن کئی دن کی متواتر کوششوں کے بعد بھی اسے بڑی ناکامی ہوئی۔ رشید بے نے جھنجلا کر اپنے آدمیوں کو حکم دیا " میں مزید صبر نہیں کر سکتا اس لیے تم میں سے جو بھی مہدی سوڈانی اور اس کے درویشوں کا ٹھیک پتا لگائے گا اسے انعام واکرام بھی دیا جائے گا۔"

ایک بار پھر بڑے پیمانے پر مہدی اور اس کے درویشوں کی تلاش شروع ہو گئی۔

دوسری طرف مہدی نے نہایت حکمت عملی سے اپنے درویشوں کو ادھر ادھر گھات میں بٹھا دیا تھا کہ وہ جیسے ہی ان کے پاس سے گزریں' ان پر اچانک بے خبری میں حملہ کر دیا جائے۔ دشمن کو بندوق چلانے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔

ایک مختصر جمعیت کو رشید بے کی فوج کو گمراہ کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا اور اسے حکم دیا گیا کہ وہ افریقہ کے گوریلوں کی طرح تیزی سے نمودار ہو کر حملہ کریں' لوٹیں ماریں پھر ادھر ادھر روپوش ہو جائیں جن کے عقب میں تازہ درویشوں کے گروہ رشید' بے کی پیچھا کرنے والی فوج کے پیچھے سے نمودار ہو کر اس کا کام تمام کر دے۔

اس تجویز پر نہایت خوبی سے عمل ہوا جس سے رشید بے کو بے حد نقصان پہنچا۔ جب اس جنگ کا خاتمہ ہوا تو پتا چلا کہ تازہ دم درویش کم سے کم نقصان اٹھانے کے بعد اپنے دشمن کی چیزوں پر قبضہ کرتے پھر رہے ہیں۔

رشید بے نے اس جنگ میں اپنے سارے تجربے کر ڈالے مگر کسی ایک میں بھی اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ مہدی کے درویشوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

اب مہدی سوڈانی کے دشمنوں کا صفایا ہو چکا تھا۔ پہلے جو لوگ اس کی مہدویت کے قائل نہ تھے اب وہ بھی قائل ہو گئے تھے اور مہدی سوڈانی کے آس پاس اسکے جان نثاروں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

مقامی لوگ مہدی سوڈانی کا دل سے احترام کرنے لگے تھے۔

جب یہ مہم بھی ناکام ہو گئی تو رؤف پاشا کے لیے گورنر کے منصب پر رہنا دشوار ہو گیا۔ قاہرہ کی حکومت کو اب کسی نئے گورنر کی فکر ہوئی۔ ایک ایسا گورنر جو رؤف پاشا جیسا نااہل اور ناکارہ نہ ہو اور جو ایک ہی حملے میں مہدی سوڈانی اور اس کے درویشوں کی طاقت کا خاتمہ کر دے۔

کئی نام سامنے آئے لیکن قرعہ فال عبدالقادر پاشا کے نام نکلا۔ ۱۸۸۲ء کے شروع ہوتے ہی رؤف پاشا کو معزول کر دیا گیا اور عبدالقادر پاشا کو سوڈان کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس تھوڑے سے وقفے میں مہدی سوڈانی نے بڑا فائدہ اٹھایا اور سوڈان کے کئی حصوں پر قبضہ کر لیا۔ درویشوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور جو بھی مہدی سوڈانی کی درویشی اختیار کرتا، حرکت و عمل کا پیکر بن جاتا۔

عبدالقادر پاشا اپنے پیش رو رؤف پاشا کی طرح کوئی کام عجلت میں نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اپنی تقرری کو آپنی عزت و ناموس کو داؤ پر لگا دینے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ اس نے خوب سوچ سمجھ کے جنرل شلالی نامی ایک شخص کو اس مہم کے لیے آگے بڑھایا۔ اس شخص کا ماضی بہت تابناک تھا اور اس نے بھی اس مہم کی کامیابی اور ناکامی کو اپنے مستقبل کی روشنی اور تاریکی کا منبع قرار دیا۔ وہ درویشوں کی بے جگری کی داستانیں سن چکا تھا اور اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ دورویش گوریلا جنگ کے ماہر ہیں اور ان کے نیزے بندوق کی گولیوں سے بہتر کام کرتے ہیں۔

نئے گورنر عبدالقادر کو بھی مہدی سوڈانی کی قوت کا صحیح اندازہ نہ تھا اور اب تک جو ناکامیاں ہوئی تھیں انہیں وہ رؤف پاشا کی نااہلی سے منسوب کر رہا تھا۔ جنرل شلالی نے گورنر سے مشورہ کیا کہ مہدی سوڈانی کے خلاف کارروائی کے لیے کتنی فوج کافی ہوگی؟"

اس نے مشورہ دیا " فی الحال یہ فتنے کی ابتداء ہے۔ اگر مہدی سوڈانی پر اچانک حملہ کر دیا جائے تو اس کے لیے چھ سات ہزار کی سپاہ کافی ہو گی اور کارروائی کا آغاز ان شہروں سے ہو جنہیں مہدی سوڈانی نے چھوڑ دیا ہے پہلے ان شہروں سے اس کے اثرات مٹائے جائیں اس کے بعد آخری مقابلہ مہدی سوڈانی سے ہو۔"

جنرل شلالی نے چھ ہزار کی ایک فوج مرتب کی اور مئی ۱۸۸۲ء میں یہ فوج قشودہ میں داخل ہوئی اور یہاں سے خشکی کے راستے آگے بڑھی۔

مہدی سوڈانی کو ساری اطلاعات بروقت پہنچتی رہتی تھیں۔ اس نے نہایت ہوشیاری سے اپنے درویشوں کو اپنے خلاف آنے والی فوج کے راستوں میں چھپا دیا تھا۔

۷ جون کو جنرل شلالی اپنے خیال میں مہدی سوڈانی کے قریب پہنچ چکا تھا اور وہ حملہ آور ہونے کی حکمت عملی طے کر رہا تھا کہ درویشوں نے اس فوج پر اچانک حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا اچانک اور شدید تھا کہ جنرل شلالی اپنا دفاع بھی نہ کر سکا اور درویشوں نے چند گھنٹوں میں پوری فوج کا صفایا کر دیا۔ بس چند سپاہی اپنی جانیں بچا لینے میں کامیاب ہوئے اور اپنی ناکامی کی داستان عبدالقادر پاشا کو سنائی۔

اب تو عبدالقادر پاشا کو بھی یہ احساس ہو گیا کہ مہدی سوڈانی اور اس کے درویش معمولی لوگ نہیں ہیں اور ان کے لیے صرف فوجی کارروائی کافی نہیں، سیاسی حکمت عملیاں بھی اختیار کرنا چاہئیں۔

جنرل شلالی کی شکست نے سوڈان والوں کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ مہدی محمد احمد کے ساتھ تائید ایزدی شامل ہے اور اسے دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ اس سوچ کا نتیجہ یہ نکلا کہ درویشوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔

گورنر عبدالقادر پاشا نے سیاسی حکمت عملی سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ہزاروں ہینڈ بل چھپوائے اور پوسٹر تیار کروائے۔ ان میں اعلان کیا گیا تھا کہ جو شخص ایک درویش کو قتل کرے گا اسے دو پاؤنڈ بطور انعام دیئے جائیں گے اور جو شخص کسی درویش سردار کو قتل کرے گا اس کو اٹھارہ پاؤنڈ بطور انعام ملیں گے۔

اور درویشوں کو ترغیب دی گئی تھی کہ اگر وہ مہدی سوڈانی کا

ساتھ چھوڑ کے مصری حکومت کی پناہ میں آ جائیں گے تو انہیں انعام و اکرام کے علاوہ بہترین ملازمتیں بھی دی جائیں گی۔

یہ ہینڈ بل قشورہ' جزیرہ ابا اور کرود خان کے گھروں میں ڈلوا دیے گئے اور پوسٹر بازاروں اور شاہراہوں کی دیواروں پر چسپاں کروا دیے گئے۔

لوگوں کی مہدی سوڈانی سے حد سے بڑھی ہوئی عقیدت مندی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے ہینڈ بلوں کو نذر آتش کر دیا اور پوسٹروں کو دیواروں سے الگ کر کے پرزے پرزے کر کے ہوا میں اڑا دیا۔ عبدالقادر پاشا کو اپنی اس حکمت عملی سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔

اس نے بدرجہ مجبوری فیصلہ کیا کہ اس مسئلے کو فوجی قوت ہی سے حل کرنا چاہیے اور اس فیصلے کے ساتھ ہی اس نے فوجی تیاری شروع کر دی تھی۔ کچھ ہی عرصے میں بارہ ہزار تربیت یافتہ فوج تیار کر لی۔ کردو خان کا صدر مقام ابیض تھا اور محمد سعید پاشا یہاں کا حکمران تھا۔ گورنر عبدالقادر پاشا نے سوچا کہ اگر درویش کرود خان میں داخل ہو گئے تو وہ ابیض پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اپنے اس اندیشے کے پیش نظر اس نے اپنے ایک ہزار فوجی ابیض روانہ کر دیے اور محمد سعید پاشا کو ہدایت کی کہ وہ مہدی سوڈانی سے اپنے شہر ابیض کو ہر قیمت پر بچائے۔

ان احکام اور ایک ہزار فوجیوں کے پہنچتے ہی محمد سعید پاشا مستعد ہو گیا اور اس نے ابیض میں داخلے کے تمام راستے بند کر دیے لیکن اس غریب کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ابیض کے باشندے ذہنی طور پر محمد احمد کو مہدی تسلیم کر چکے ہیں اور ان کی ساری ہمدردیاں محمد احمد مہدی سوڈانی کے حق میں ہیں۔

مہدی سوڈانی نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اسے کرود خان میں رہنا ہے تو ابیض شہر پر اس کا قبضہ ہونا چاہیے۔ وہ ابیض کی تسخیر کے لیے ابیض شہر کی طرف بڑھا اور اس کے سامنے اپنے درویشوں کے ساتھ خیمے نصب کر دیے۔

محمد سعید پاشا نے اطراف سے بھی فوج بلوا لی تھی۔

تمبر ۱۸۸۲ء کے شروع میں مہدی سوڈانی نے محمد سعید پاشا کو لکھا کہ وہ ابیض شہر کو اس کے حوالے کر دے۔ مہدی سوڈانی کا یہ فرمان لے کر چند درویش بے دھڑک محمد سعید پاشا کے پاس پہنچ گئے۔

محمد سعید پاشا نے درویشوں کو عزت اور احترام سے ٹھہرایا اور کہا " میں تمہارے مہدی کے مکتوب کا جواب اپنے اعیان اور ارکان سلطنت سے مشورے کر کے دوں گا۔"

درویشوں کے ایک نمائندے نے کہا " ہمیں بھی کوئی جلدی نہیں ہے اور ہمیں جواب ہاں یا نہ میں ملنا چاہیے۔ ہاں کا یہ مطلب ہو گا کہ تم شہر ابیض ہمارے حوالے کر دو گے اور تمہارے جواب نہ سے ہم یہ سمجھیں گے کہ تم نے ہمارے مہدی کا کہنا نہیں مانا اور جنگ پر آمادہ ہو۔"

محمد سعید پاشا کی مجلس مشاورت میں انتظامی اور فوجی ماہرین نے حصہ لیا۔

انتظامی امور کے ماہرین نے مشورہ دیا " جس طرح بھی ممکن ہو' فی الحال مہدی سوڈانی کو ٹال دیا جائے۔"

لیکن فوجی ماہرین نے رائے دی " مہدی سوڈانی سے جنگ کی جائے۔"

لیکن چند سنجیدہ اور بردبار سرداروں نے مشورہ دیا " درویشوں کو یوں ہی واپس کر دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ ہم اس شہر کے مالک نہیں ہیں جو اپنی مرضی سے یہ شہر تمہارے حوالے کر دیں۔ تو یہ درخواست یہاں کے گورنر عبدالقادر پاشا سے کرو۔ ہم اسی کے تابع ہیں۔ وہ اگر ہمیں یہ حکم دے گا کہ ہم یہ شہر تمہارے حوالے کر دیں تو یہ شہر تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔"

محمد سعید پاشا کو یہ مشورہ پسند آیا اور اس نے وفد کے درویش ارکان سے صاف صاف کہہ دیا " میں اپنے گورنر کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔"

وفد نے یہ جواب اپنے مہدی کو پہنچا دیا۔ مہدی سوڈانی نے برافروختگی کے عالم میں حکم دیا " اب اس شہر کا محاصرہ کر لیا جائے۔"

اس فرمان کے ساتھ ہی ابیض کا محاصرہ کر لیا گیا لیکن یہ عجیب محاصرہ تھا اور عجیب شہر بندی تھی کہ شہری نکل نکل کے درویشوں کے پاس آ جا رہے تھے۔

شہر کا سب سے بڑا اور مشہور تاجر الیاس پاشا مہدی سوڈانی سے جا ملا اور محمد سعید پاشا پر بہت جلد یہ راز کھلا کہ بیشتر شہریوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ تنہا رہ گیا ہے۔ جو لوگ اب بھی شہر میں موجود تھے وہ محمد سعید پاشا کے لیے ناقابل اعتبار تھے۔ وہ خود کو غیر محفوظ سمجھ رہا تھا۔ شہر کا یہ مشہور تاجر الیاس پاشا اپنے ساتھ کچھ فوجی بھی لے گیا تھا۔

محمد سعید پاشا کے پاس جو فوج تھی وہ کل دس ہزار تھی اور باہر مہدی سوڈانی کے پاس صرف چھ ہزار درویش تھے۔ ان سب کے پاس نیزے بھی تھے' تلواریں بھی اور بندوقیں بھی۔ یہ بندوقیں دشمن سے چھینی گئی تھیں۔

اب تک مہدی سوڈانی نے جو فتوحات حاصل کی تھیں ان کا تعلق کھلے عام میدانی جنگوں سے تھا لیکن ایک فصیل رکھنے والا شہر کس طرح فتح کیا جا سکتا ہے' مہدی سوڈانی کو اس کا کوئی خاص تجربہ نہ تھا۔ کافی دن محاصرے میں گزارنے کے بعد اسے اندزہ ہوا کہ ابیض کو فتح کرنا آسان کام نہیں ہے۔

اب مہدی سوڈانی نے اپنے درویشوں سے پوچھا " ہم بظاہر ان چھ ہزار درویشوں کی مدد سے ابیض کو فتح نہیں کر سکتے۔ تم سب حساب لگاؤ تاکہ ہمارے درویشوں کی کل تعداد کتنی ہے اور اگر ان سب کو یہاں بلوا لیا جائے تو کیا شہر ابیض کی تسخیر آسان ہو جائے گی؟"

درویشوں نے حساب کر کے بتا دیا کہ درویشوں کی کل تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ چکی ہے۔

مہدی نے ۸ ستمبر ۱۸۸۲ء کو ابیض پر حملہ کر دیا۔

شہر بند فوج کو آسانی تھی کہ وہ فصیلوں پر سے فائرنگ بھی کر سکتی تھی اور سنگ باری بھی اور تیروں کی بوچھاڑ بھی کی جا سکتی تھی جب کہ درویشوں کے لیے ہر طرف خطرہ ہی خطرہ تھا۔ ان کی تعداد بھی کم تھی اور سامان جنگ بھی محدود۔

شروع میں معمولی جھڑپیں ہوئیں مگر مہدی سوڈانی کو بہت جلد اندازہ ہو گیا کہ یہ جنگ اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتی لیکن وہ اس جنگ کا خطرہ مول لے چکا تھا۔

محمد سعید پاشا نے بے دریغ فوجی طاقت استعمال کی اور درویشوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ درویشوں نے تیر چلائے اور فائرنگ کی تو اس سے ان کو فائدے کے بجائے نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے درویشوں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ تیروں کا ذخیرہ بھی ختم ہو گیا اور بندوقوں کی گولیاں بھی جواب دے گئیں۔

محمد سعید پاشا نے جب دیکھا کہ درویشوں کی حالت پتلی ہے تو اس نے شہر کے باہر درویشوں پر فیصلہ کن حملہ کر دیا۔ اب درویشوں کو احساس ہو چکا تھا کہ وہ یہ جنگ نہیں جیت سکتے۔

اس جنگ میں مہدی سوڈانی کا حقیقی بھائی محمد اور اس کے خلیفہ عبداللہ التعایشی کا بھائی یوسف بھی مارے گئے۔

دوسری طرف مصری فوج کے صرف تین سو آدمی مارے گئے تھے۔

مہدی سوڈانی نے پسپائی اختیار کی اور یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ مستحکم اور مضبوط فصیلوں والے شہروں پر حملہ نہیں کیا جائے گا بلکہ ایسے شہروں کا محاصرہ کر کے محصورین کو بھوکوں مار کر حوالگی شہر پر مجبور کر دیا جائے گا۔

مہدی نے مختلف علاقوں سے کمک طلب کر لی اور ابیض کا ایک بار پھر محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ساڑھے چار ماہ جاری رہا۔ شہر کے لوگ بھوکوں مرنے لگے اور اس بار محمد سعید پاشا کی ہمت بھی جواب دے گئی۔

شہر والوں نے بغاوت کر دی اور محمد سعید پاشا کو مجبور کر دیا کہ وہ شہر کو مہدی سوڈانی کے حوالے کر دے۔ شہر کے دروازے کھل گئے اور مہدی اپنے درویشوں کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا۔ سرکاری عملہ گرفتار کر لیا گیا۔ ان گرفتار ہونے والوں میں محمد سعید پاشا بھی شامل تھا۔

ابیض شہر پر قابض ہوتے ہی پورے کرود خان پر قبضہ مکمل ہو گیا۔ اب مہدی سوڈانی نے اپنے مقبوضہ علاقے کے انتظام کی طرف توجہ دی۔ انتظامی صیغوں کو تین محکموں میں تقسیم کیا۔

۱۔ سپاہ ------ ۲۔ قضا ------ ۳۔ مال۔

سپاہ کا انتظام اپنے خلیفہ عبداللہ التعایشی کے سپرد کیا۔

محکمہ قضا احمد بن علی کے سپرد کیا۔ یہ شخص پہلے بھی قاضی رہ چکا تھا۔ اس کے عہدے کا نام قاضی الاسلام رکھا۔

محکمہ مال کا افسر اعلیٰ احمد بن سلطان کو مقرر کیا۔ یہ مہدی کا بہت قریبی دوست تھا۔ مالی معاملات کے انصرام کے لیے بیت المال قائم کیا گیا۔ بیت المال میں ہر قسم کی آمدنی جمع ہوتی تھی۔ مثلاً مال غنیمت ' زکوۃ عشور' فطرہ اور جرمانوں کی رقمیں۔ یہ جرمانے ان سے وصول کیے جاتے تھے جو قانون شریعت کی خلاف ورزی کے مرتکب قرار پاتے تھے۔

مہدی کے اس نظام حکومت سے رعایا بہت خوش ہوئی کیوں کہ اس کی بدولت آسائش' راحت اور سکون نصیب ہوا تھا۔ کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا تھا۔

مہدی کے اپنے لباس' خوراک اور طرز معاشرت میں سادگی پائی جاتی تھی۔ وہ انتہا درجے کی زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اسے ہر وقت احکام شریعت کے اجرا کی دھن سوار رہتی

تھی۔ اس نے اپنے قلمرو میں وہ تمام حدیں جاری کو دی تھیں جو شریعت اسلام نے مقرر فرمائی ہیں اور اس نے اسی سال اپنا ایک منشور شائع کیا۔ اس منشور سے اس کی پابندی مذہب اور زاہدانہ خیالات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

حمد و صلوۃ کے بعد اس نے مسلمانوں کو مخاطب کیا۔

" اے بندگان خدا! اپنے رب بزرگ و برتر کی حمد کرو۔ اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو مخصوص نعمت سے سرفراز فرمایا۔ جانتے ہو وہ نعمت کیا ہے؟ میرا بحیثیت مہدی ظاہر ہونا اور یہ تمہارے لیے دوسری امتوں پر شرف خاص ہے۔

" میرے دوستو! میرا مطمح نظر یہ ہے کہ تم کو راہ ہدایت دکھاؤں تو تم بھی خدا کے راستے میں مہاجرت اختیار کرو۔ جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا نصب العین بناؤ۔ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے منقطع ہو جاؤ یہاں تک کہ راحت و آسائش کا خیال تک دل سے نکال دو۔ اگر دنیا کوئی اچھی چیز ہوتی تو خدا اس کو تمہارے لیے آراستہ کر دیتا۔ ان لوگوں کو دیکھو جن کو ہر قسم کی دنیاوی آسائیشیں حاصل تھیں لیکن ان پر ایک وقت ایسا آیا کہ ان کی تمام راحتیں مصائب سے بدل گئیں اور آسائش زندگی کی شراب تکلیفوں کا زہر بن گئی تھی۔

" اگر دنیا کی راحت میں کوئی بھلائی ہوتی تو ایسا کیوں ہوتا؟ اور اسی پر بس نہیں بلکہ ابھی آخرت کا درد ناک عذاب ان کے لیے باقی ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ تم یہ سب دیکھتے ہو اور پھر بھی دنیاوی راحت و آسائش کی تمنا اور دنیاوی زندگی کی آرزو کرتے ہو۔ خدا سے ڈرو اور دنیا کی آسائشوں کو ٹھکرا دو۔ اللہ کے سچے بندوں کی رفاقت اختیار کرو۔ اس کی راہ میں جہاد کرو کہ سچی زندگی یہی ہے۔ اللہ کی راہ میں ایک مسلمان کا تلوار کو حرکت میں لانا ستر برس کی عبادت کے ثواب سے بڑھ کر ہے۔

" عورتوں پر بھی خدا کی راہ میں جہاد فرض ہے۔ جو عورتیں میدان جہاد میں خدمات انجام دے سکتی ہیں ان کے لیے گھر سے باہر نکلنے میں شرعاً" کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے جہاد کریں۔

" جوان اور پردہ نشین عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ گھروں میں پاک زندگی بسر کریں اور اپنے نفس سے جہاد میں مصروف رہیں بلا ضرورت شرعی گھر سے باہر نہ نکلیں۔ اونچی آواز سے باتیں نہ کریں کہ غیر مردان کی آواز سنیں۔ نماز پابندی کے ساتھ وقت پر ادا کریں۔ اپنے شوہروں کی اطاعت فرض سمجھیں۔ اپنے جسموں کو کپڑوں سے چھپائے رکھیں۔ جو عورت ستر پوشی نہ کرے اسے سزا دی جائے۔

" شراب پینے والے کو اسی کوڑے لگائے جائیں۔ اگر شراب خور کا ہمسایہ اس کو سزا دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو اطلاع دے ورنہ اس کو اخفائے جرم میں اسی کوڑوں اور سات دن قید کی سزا دی جائے۔

" میرے دوستو! تم مخلوق خدا پر شفقت کرو۔ احکام خداوندی کی مخالفت نہ کرو۔ اوامر کی پابندی لازمی ہے۔ میرے احکام کو سنو اور اطاعت کرو۔ تبدیل و تحریف کا خیال بھی دل میں نہ آنے دو۔ خداوند تعالیٰ نے جو نعمت تم کو دی ہے اس کا شکر ادا کرو اور کفران نعمت سے باز رہو۔"

محمد احمد نے اپنے بعض متعمد افسروں کو سوڈان کے اطراف میں تبلیغ و دعوت کے لیے روانہ کیا۔ عثمان و غنہ جو مہدی کا معتمد خاص تھا' مشرقی سوڈان میں پہنچا اور وہاں کے قبائل کو اپنے زیر اثر لانے کی کوشش شروع کر دی۔ اس نے اپنے متبعین کو یکجا کیا اور ایک سپاہ تیار کی اور مہدی کا مذکورہ بالا منشور شائع کیا۔ اس شخص کو یہاں غیر معمولی کامیابیاں حاصل ہوئیں اور مشرقی سوڈان کے قبائل جوق در جوق مہدویت کا حلقہ اپنے گلوں میں ڈالنے لگے۔ عثمان و غنہ نے یہاں بھی ایک بیت المال قائم کیا اور زکوۃ و عشور کی رقمیں اس بیت المال میں جمع ہونے لگیں۔

گورنر عبدالقادر پاشا خرطوم میں یہ خبریں سن رہا تھا اور پریشان تھا کہ اس پر کس طرح قابو پایا جائے۔ آخر دولت انگلشیہ سے مشورے ہونے لگے۔ مصری حکومت بھی سوڈان کے معاملے میں خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی اور وہ دیکھ رہی تھی کہ آہستہ آہستہ پورا سوڈان مصری حکومت کے اقتدار سے نکلتا جا رہا ہے۔

اب مصری حکومت کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اگر مہدی سوڈانی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور سوڈان سے مصری گورنر اور دوسرے اعلیٰ حکام کو نکال باہر کیا تو پھر اس کا دوسرا ہدف مصر ہوگا اور قاہرہ سوڈان سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔

خدیو مصریہ بھی دیکھ رہا تھا کہ مہدی سوڈانی کی تعلیمات مکمل طور پر اسلامی ہیں اور یہی تعلیمات عام مسلمانوں کو اپنی

طرف کھنچ رہی تھیں۔ حکومت کو اندیشہ عوام کی طرف سے تھا کہ اگر عوام میں اسلامی روح دوڑ گئی تو حکومت ان کے سامنے بے بس ہو جائے گی اور یہ بے بسی پورے مصر کو اقتدار اعلیٰ سے محروم کر دے گی۔

خرطوم کے گورنر عبدالقادر پاشا نے مصری حکومت کی رپورٹ دی " سوڈان کے حالات سنگین ہیں اور جس قدر ملک میرے قبضے میں ہے اس کے نکل جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اگر اس فتنے کی روک تھام کے لیے کوئی موثر اور نتیجہ خیز کارروائی نہ کی گئی تو پورے سوڈان پر مہدی کا قبضہ ہو جائے گا۔"

خدیو مصر نے یہ رپورٹ انگلستان روانہ کر دی اور اس مسئلے میں انگلستان سے مدد چاہی پھر جس طرح مصری حکومت کو تشویش لاحق ہو گئی تھی اسی طرح دولت انگلشیہ بھی فکرمند ہو گئی۔

برطانوی حکومت مہینوں اس پر غور کرتی رہی۔ ارباب حکومت اس موضوع پر بحث و مباحثہ کرتے رہے اور آخر کار یہ طے پایا کہ برطانیہ کو بھی مصر کے ساتھ مل کے مہدی سوڈانی کے خلاف فوجی کارروائی کرنی چاہیے۔ انگلستان کے مشہور جنرل ہکس کو اس مہم کے لیے نامزد کیا گیا۔

جنرل ہکس نے اپنی مدد کے لیے نو دوسرے جنگ آزمودہ انگریز فوجی افسروں کا انتخاب کیا۔

چونکہ عبدالقادر پاشا ہمت ہار چکا تھا اس لیے اس کو خرطوم سے واپس بلایا گیا تھا اور اس کی جگہ علاؤ الدین پاشا کو خرطوم کا گورنر مقرر کیا گیا۔

علاؤ الدین پاشا نے خرطوم پہنچتے ہی اس مہم کے لیے نیل ارزق کے مشرقی حصے سے اونٹ جمع کرنے شروع کر دیے اور فوج بھی تیار کی گئی۔

علاؤ الدین پاشا کا کام اگست ۱۸۸۳ء تک مکمل ہو گیا اور ۸ ستمبر کو جنرل ہکس نے متحدہ فوج کا جائزہ لیا۔ اس سپاہ میں چار مصری دستے پانچ سوڈانی دستے اور ایک دستہ توپچیوں اور سواروں کا تھا۔ مصری فوج۔ سلیم بک عونی' سید بک عبدالقادر' ابراہیم پاشا حیدر اور جب بک صدیق کے ماتحت تھی۔

سپاہ کی کل تعداد گیارہ ہزار تھی جس میں سے ساتھ ہزار مصری پیدل فوج تھی اور اونٹوں کی تعداد ساڑھے پانچ ہزار تھی اور پانچ سو گھوڑے تھے۔ جرمنی کے مشہور ادارے کرپ کی توپیں' دس پہاڑی توپیں اور دس دوسری قسم کی توپیں تھیں۔

ٹائمز' ڈیلی نیوز اور لندن کے کئی دوسرے ممتاز اخبارات کے نمائندے بھی اس مہم میں شامل تھے۔ ۹ ستمبر کو یہ سپاہ ام درمان سے دوئم نامی مقام کی طرف روانہ ہو گئی اور ۲۰ ستمبر کو یہ سب دوئم پہنچ گئے۔ یہاں علاؤ الدین پاشا کی ایک بہت بڑی فوج کا انتظار کر رہی تھی۔

جنرل ہکس نے اپنی فوج کو دوئم سے ابیض کی طرف لے جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ فاصلہ ایک سو چھبیس میل تھا۔ اس نے راستے میں چند چوکیاں قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس خطرے کے پیش نظر کہ اگر اسے شکست ہو جائے تو واپسی میں دشمن اس کا راستہ نہ منقطع کر دے۔

جنرل ہکس آگے بڑھا۔ اس کا خیال تھا کہ تیس میل کے فاصلے پر پہلی چوکی قائم کر دی جائے گی لیکن مہدی سوڈانی نے انگریز جنرل کے اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔

مہدی سوڈانی چھیانوے میل کا فاصلہ طے کر کے یہاں پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ جنرل ہکس مہدی سوڈانی کے عزائم سے بے خبر جیسے ہی یہاں پہنچا تو چاروں طرف سے درویشوں میں گھر گیا۔ درویشوں کی تعداد بھی زیادہ تھی اور انہوں نے انگریز جنرل کو اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ مہدی سوڈانی کے خلاف مورچا بندی کرتا۔ چشم زدن میں لشکر کا صفایا کر دیا گیا۔ اس قیامت خیز معرکے میں اخباری نمائندے بھی مارے گئے یہاں تک کہ جنرل ہکس کی لاش بھی مقتولوں میں شامل تھی۔ آلات حرب پر درویشوں کا قبضہ ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ صرف تین سو آدمی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ان میں سے کچھ بوڑھے تھے اور انہیں رحم کھا کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ بقیہ وہ لوگ تھے جو لاشوں کے نیچے چھپ گئے تھے۔ ان زندہ بچ جانے والوں میں جنرل ہکس کا خانساماں محمد نور بارووردی شامل تھا اور اسی شخص نے جنرل ہکس کی ہزیمت اور تباہی کے تمام واقعات مصری حکومت تک پہنچائے تھے۔

درویشوں کو اپنی فتح کے نتیجے میں بہت کچھ ملا۔

سوڈان کے اکثر قبیلے ابھی تک تذبذب کا شکار تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جنرل ہکس مہدی اور اس کے درویشوں کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا۔ چنانچہ انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ جنرل ہکس مارا گیا' اس کی فوج برباد ہو گئی' مہدی سرخرو ہوا اور درویش اپنی دشمنوں پر غالب آئے تو ان خبروں نے سوڈان

کے مرتد قبیلوں کو محمد احمد کی مہدویت پر ایمان لانے پر مجبور کر دیا۔

○☆○

مہدی کو یہ ایسی شاندار فتح حاصل ہوئی تھی کہ اس کا اثر مصری فوج پر پڑا۔ یہ مصری سپاہی ملازمتیں چھوڑ چھوڑ کر مہدی سوڈانی کے پاس پہنچنے لگے۔ یہ پہلے مہدی پر ایمان لاتے اس کے بعد مہدی کے درویشوں میں شامل ہو جاتے۔ ان کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ جب یہ مہدی علیہ اسلام کے پرچم تلے کفار سے جنگ کریں گے اور شہید ہو جائیں گے تو انہیں قیامت کے دن احد اور بدر کے شہیدوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

یہ خبریں قاہرہ اور لندن پہنچیں تو صف ماتم بچھ گئی اور ایک بار پھر مصری حکومت اور دولت برطانیہ کے درمیان صلاح مشورے ہونے لگے۔

درویشوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے تھے کہ مہدی سوڈانی نے عثمان دغنہ کو حکم دیا کہ وہ درویشوں کا لشکر لے کر سواکن کی طرف بڑھے۔ یہ علاقہ بحیرۂ قلزم پر واقع ہے، مصر اور سوڈان کے درمیان۔

عثمان دغنہ نے سنکات اور توکر کا رخ کیا تو مصری فوج اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ سواکن ابھی دور تھا۔

عثمان دغنہ نے دونوں جگہ مصری فوج کو شکست دی۔

خطرات کے پیش نظر محمد پاشا طاہر پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ سواکن سے چلا۔ انگریز سفیر ڈاک مانکرف اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ اس مخدوش علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا ڈیڑھ سو درویشوں نے ایک گھنٹے بعد ہی ان پر حملہ کر دیا۔

محمد پاشا طاہر کو شکست ہوئی اور اس کے جن سپاہیوں نے اپنی جان بچائی تھی وہ بھاگ کر سواکن میں پناہ گزین ہو گئے۔

یہ خبریں مصری حکومت کے لیے بہت تشویش کا باعث بن گئی تھیں۔ انگریزوں نے مصری حکومت کو تسلی دی اور ندیو مصر کو یقین دلایا کہ وہ ایک نہ ایک دن مہدی سوڈانی اور درویشوں پر قابو پا لیں گے اور اس مقصد کے لیے جنرل ویلنٹائن بیکر کا نام پیش کیا۔

ایک بار پھر مصری فوج تیار کی جانے لگی لیکن اب حالات اتنے بدل چکے تھے کہ مصری سپاہی اس جنگ سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ چپکے چپکے راہ افرار اختیار کرنے لگے۔

مصری فوج کے جو افسر اور سپاہی کسی وجہ سے انکار نہیں کر سکتے تھے وہ زار و قطار رونے لگے لیکن ان کا یہ رونا ان کے کسی کام نہ آیا اور انہیں مہدی کے مقابلے میں سوڈان جانا پڑا۔ کچھ سپاہیوں نے راستے ہی سے بھاگ کر مہدی کے درویشوں میں شمولیت اختیار کی۔

اس مہم میں دوسرے تجربہ کار فوجی انگریز بھی شامل تھے۔ یہ لوگ جہازوں میں سوار ہو کر سواکن کے جنوب میں بڑھے چلے گئے اور ایک جگہ ۴ فروری ۱۸۸۴ء کو جہازوں سے اترے اور خاموشی سے مشرق کی سمت روانہ ہو گئے۔

جنرل بیکر ایک اندازے کے مطابق عثمان دغنہ کی پشت پر پہنچ کے حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ مصری اور سواکن کے لوگ درویشوں کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے عثمان دغنہ کو جنرل بیکر کے ارادوں کی خبر پہنچا دی اور عثمان دغنہ بھی صرف بارہ سو درویشوں کے ساتھ بیکر کی طرف بڑھا اور اچانک دونوں کی مڈھ بھیڑ ہو گئی۔

جنرل بیکر کو درویشوں کی تعداد کا کوئی اندازہ نہ تھا اس لیے وہ پیچھے ہٹا اور اپنی پیدل فوج کے ذریعے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ مصری تو پہلے ہی سے مہدی اور اس کے درویشوں سے خوفزدہ تھے۔ انہوں نے بے دلی سے مقابلہ کیا اور کچھ نے مقابلے کے بغیر ہی راہ افرار اختیار کی۔

جنرل بیکر کو اس صورت حال کا پہلے سے کوئی اندازہ نہ تھا پھر بھی اس چالاک جنرل نے راہ فرار اختیار کی اور خاص سواکن پہنچ کر دم لیا۔ دوسرے انگریز فوجی افسر مارے گئے۔

درویشوں کو مال غنیمت میں چار توپیں، پانچ لاکھ کارتوس اور تین ہزار بندوقیں ہاتھ لگیں۔

اس شکست نے برطانیہ اور مصر کو ایک بار پھر بہت زیادہ تردد اور انتشار میں مبتلا کر دیا۔

درویشوں نے سواکن کو چاروں طرف سے گھیر لیا جب کہ سواکن کی حفاظت کے لیے بہت تھوڑی مصری فوج رہ گئی تھی۔ کرود خان اور دارفور پہلے ہی مہدی کے قبضے میں جا چکے تھے۔ گویا اب مہدی کی حکومت خرطوم کے قریب سے چھ سو میل کے فاصلے تک پھیل گئی تھی۔

مشرق میں حبشہ تک سنار کا تمام علاقہ اس میں شامل تھا۔

مغرب میں دار فور اور کرود خان تھے اور شمال مشرق کی

طرف سواکن تک اس کی سرحد جا ملی تھی۔

کچھ ہی دنوں میں مہدی کا اثر علاقہ الغشیر تک پہنچ گیا تھا۔ ان دنوں وہاں انگریز گورنر سر سلاٹن موجود تھا۔ وہاں کے مقامی لوگوں نے اس کے نام کو معرب کر لیا تھا اور اسے سلاتین پاشا کہنے لگے تھے۔

سلاتین پاشا سخت بدحواس ہوا۔ اس نے اس صورت حال پر اپنے آدمیوں سے مشورہ کیا تو سبھی خوف زدہ اور مایوس نظر آئے۔ سلاتین پاشا نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس کے مصری افسر باغیانہ خیالات رکھتے ہیں۔

یہ تو اسے یقین تھا کہ وہ جنگ کر کے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور اپنی جان بھی بچانا چاہتا تھا۔ آخر کار یہ فیصلہ کیا کہ وہ مہدی کی طرف ارادت مندی کا ہاتھ بڑھائے اور مصلحت سے کام لے کر مسلمان ہو جائے۔ وہ فی الحال مہدی کی نیاز مندی میں چلا جائے گا پھر جب کبھی فرار ہونے کا موقع ملے گا تو اپنی جان بچا لے جائے گا۔

یہ سارے فیصلے کرنے کے بعد اس نے ایک خط مہدی کو لکھا " میں آپ کی محترم شخصیت سے متاثر ہو کر آپ کی نیاز مندی اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ آپ واقعی مہدی آخر الزماں ہیں اور آپ کی مسلسل فتوحات اور حیرت انگیز کامیابیاں مجھے آپ پر ایمان لانے پر مجبور کر رہی ہیں کہ میں آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر لوں۔ مجھے امید ہے مسلمان ہونے کے بعد آپ مجھے اپنے خاص درویشوں میں شامل فرمائیں گے۔ میں جس جگہ کا گورنر ہوں اس کے لیے آپ کو فوج کشی نہیں کرنی پڑے گی۔ میں یہ سارا علاقہ جنگ و جدل کے بغیر ہی آپ کے حوالے کردوں گا۔"

اس نے دوسرا خط اوگل نامی ایک انگریز کو لکھا " میں یہاں مہدی اور درویشوں کے نرغے میں آ گیا ہوں اور زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔ میں جان بچانے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ذرا معلوم کر کے بتاؤ کہ اب کس جنرل کو مہدی کے مقابلے پر بھیجا جا رہا ہے تاکہ میں یہ اندازہ لگا سکوں کہ مجھے مہدی کی نیاز مندی میں کتنا عرصے رہنا پڑے گا۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ میں یہاں سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکوں گا لیکن اپنی سی کوشش ضرور کروں گا۔"

اوگل کے پاس سلاتین پاشا کے لیے واضح جوابات نہیں تھے وہ پہلے تو ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا اور آخر ناکام و نامراد واپس آیا۔ مصر اور برطانیہ دونوں ہی مہدی سوڈانی کے مقابلے میں بے بس نظر آ رہے تھے۔ اوگل نے سوچا' اگر وہ جواب میں سلاتین پاشا کو تفصیل سے کچھ لکھے گا اور اگر یہ خط پکڑا جائے گا تو دونوں مصیبت میں پھنس جائیں گے اور سلاتین پاشا قتل کر دیا جائے گا۔

سلاتین پاشا تو پہلے ہی اظہار نیاز مندی کر چکا تھا اور اوگل سلاتین پاشا کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ آخر دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مہدی نے سلاتین پاشا کا نام عبدالقادر رکھا اور اس کو حکم دیا کہ وہ العبید آ جائے۔ سلاتین پاشا العبید پہنچا اور وہاں مہدی کے ساتھ خرطوم کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب انگلستان نے یہ فیصلہ کیا کہ کچھ عرصے جنگ و جدل سے پرہیز کیا جائے اور سیاسی حکمت عملیوں سے کام لے کر مہدی کو قابو میں لایا جائے۔

سوڈان میں کئی جگہ مصری اور انگریزی فوجیں پہنچی ہوئی تھیں اور ان کو بحفاظت وہاں سے نکالنا ایک دشوار کام تھا۔ آخر انگلستان کی نظر جنرل گارڈن پر گئی۔ یہ شخص اس سے پہلے سوڈان میں گورنر جنرل رہ چکا تھا اور اس کی لیاقت اور مستعدی کے مصر اور انگلستان یکساں معترف تھے۔ وہ سوڈان سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس کو برطانوی حکومت نے ہدایت کی کہ جس طرح بھی بن پڑے وہ تمام سرکاری محصور فوجوں کو سوڈان سے نکال لائے اور سیاسی حکمت عملیوں سے مہدی سوڈانی کو زیر دام لائے۔ گو کہ یہ نہایت پرخطر ذمے داریاں تھیں' لیکن جنرل گارڈن نے نہایت دلیری اور استقلال سے یہ ذمے داری قبول کر لی۔

برطانیہ نے جنرل گارڈن کو ہائی کمشنر کی حیثیت سے سوڈان روانہ کر دیا اور خدیو مصر کی طرف سے جنرل گارڈن کو سوڈان کا گورنر جنرل بنا دیا گیا۔

وہ لندن سے ۲۷ جنوری ۱۸۸۴ء کو روانہ ہوا اور بروقت پہنچ کے سوڈان کی آزادی کا اعلان جاری کر دیا۔ تمام محصولات نصف کر دیے گئے۔ تمام باشندوں کی جرم بخشی ہوئی۔

اہل سوڈان کو لونڈی غلام رکھنے اور ان کی خرید و فروخت کی اجازت بھی دے دی گئی۔ اسی اعلان کے ذریعے محمد احمد مہدی کو سلطان دار مقرر کیا گیا اور جنرل گارڈن نے چند تحائف بھی مہدی کی خدمت میں بھیجے۔

جاری ہے

جھگڑا کس بات کا؟

اسلام مسلسل جہاد ہے اپنی ذات اپنی خواہشات کے ساتھ اپنے گھر اپنے اہل خانہ اپنے دوستوں کے ساتھ اپنے ماحول اپنے محلے اپنے شہر کے ساتھ اور سارے جہان کے ساتھ۔ جہاد کا نام اسلام ہے کسی کو زیر کرنے کے لئے نہیں کسی کو لوٹنے کے لئے نہیں کس کا گھر اجاڑنے کے لئے نہیں اللہ کے بندوں کو اللہ کی عظمت سے آشنا کرنے کے لئے۔ لیکن کچھ لوگ اگر دیو بندی' بریلوی' اہل حدیث ہیں تو عقائد میں کوئی فرق نہیں ہے یہ چندے جمع کرنے کے لئے اتنا فرق بنایا ہوا ہے کچھ لوگوں نے اور جماعتیں بنائی ہوئی ہیں۔ علمائے دیو بند وہی کتابیں پڑھاتے ہیں جو علمائے بریلوی اپنے مدرسوں میں پڑھاتے ہیں فقہ سے لے کر تفسیر اور حدیث کی شروح تک بلکہ ایک نصاب ہی نہیں صرف ایک ہی مصنف کی کتابیں رائج ہیں دونوں طرف۔ دونوں طرف درس نظامی ہے تو پھر اختلاف کس بات کا ہے؟ اگر ایک شخص یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیتا ہے اور دوسرا آرام سے بیٹھ کر درود پڑھ لیتا ہے تو اس پر لڑنے کی کیا بات ہے بھائی اگر کوئی یا رسول اللہ کہتا ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ نے کچھ فرشتے ہی ایسے بنائے ہیں جہاں کوئی مجھ پر درود پڑھے وہ لے کر مجھ تک پہنچا دیں تو اللہ کے فرشتے پہنچا دیں گے ہمیں کیا اعتراض ہے اور اگر کوئی گوشے میں بیٹھ کر سکون سے درود پڑھ رہا ہے تو لڑنے کی کیا ضرورت ہے وہ بھی اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہا ہے جس پر آپ بھیج رہے ہیں اس میں لڑائی کی کیا بات ہے؟ ایک کے نزدیک وہ مستحسن ہے دوسرے کے نزدیک دوسری طرح مستحسن ہے جھگڑا تو ترجیح پر ہوا نا۔ اصل پر درود پر۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر' نبی علیہ السلام کی عقیدت پر تو جھگڑا نہیں ہے تقلید میں کون سا جھگڑا ہے اگر اہل حدیث یا غیر مقلد کہتا ہے کہ ائمہ کی تقلید نہیں کرتا تو نہ کرے۔ عقائد میں تو سرے سے تقلید ہے ہی نہیں۔ ہم بھی نہیں کرتے ہر فرد کا عقیدہ ذاتی ہوتا ہے رہ گئے فقہی احکام تو ان میں ہم حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تصنیفات سے جواب تلاش کر لیتے ہیں جو تقلید نہیں کرتا ہو قریبی کسی عالم سے پوچھ لیتا ہے اس کا کام بھی ہو جاتا ہے ہمارا بھی ہو جاتا ہے لڑنے کی کیا بات ہے آمین کہنے کے دونوں قائل ہیں۔ ایک بلند آواز سے کہہ لیتا ہے دوسرا آہستہ کہہ لیتا ہے۔ یا تو جھگڑا یہ ہوتا کہ آمین کہنا نہیں چاہئے پھر تو جھگڑا ہوتا۔ کہنے کے دونوں قائل ہیں اس میں جھگڑا کس بات کا۔ کوئی رفع یدین کرتا ہے تو کرنے ہم بھی ہیں ہم پہلی تکبیر پہ کرتے ہیں وہ چار پانچ تکبیروں پہ کر لیتا ہے تو پھر جھگڑا کس بات کا۔ لڑائی کس بات کی۔ یہ تو محض تقسیم بنی ہوئی ہے اتنا اختلاف صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین میں بھی تھا اس لئے کہ انسانی شعور میں اتنا اختلاف ہوتا ہے چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں ہر آدمی برابر سطح پر نہیں سمجھ رہا ہر ایک کا جو اپنا آئی کیو، IQ ہے جو اپنی اس کی ذہنی استعداد ہے اس کے مطابق وہ اس میں سے باتیں اخذ کرے گا۔ تو اس اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے جو خلوص کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لئے کیا جائے